جلد ۲۵ وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین عدد ۲

ماہنامہ میثاق لاہور

فروری ۱۹۷۷ء

★

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★

مرتب

جمیل الرحمٰن

یکے از مطبوعات

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

فون : ۳۵۲۶۱۱

چندہ سالانہ ۱۵/- —— قیمت فی نسخہ ۱/۵۰

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۲۵	ماہ فروری ۱۹۷۷ء	شمارہ ۲

مشمولات

● عرض احوال	جمیل الرحمن	صفحہ ۱
● حفاظت متن قرآن	حافظ محمد یار	" ۳
● تنظیم اسلامی کے تاسیسی اجلاس کی روداد	جمیل الرحمن	" ۱۴
● قرآنی تربیت گاہ - رپور تاژ	قاضی عبدالقادر	" ۳۷
● شہید مظلوم حضرت عثمان رضؓ	ڈاکٹر اسرار احمد	" ۴۹

ضروری گزارشات

● ہر شمارہ احتیاط کے ساتھ چیکنگ کے بعد پوسٹ کیا جاتا ہے - خریدار حضرات کو اگر مہینے کی دس تاریخ تک پرچہ نہ ملے تو اطلاع دیں ، دوبارہ پرچہ ارسال کر دیا جائے گا - اس کے بعد تعمیل ممکن نہ ہو گی -

● ایجنسی ۵ پرچوں سے کم جاری نہیں ہوتی -

● میثاق کا پتہ تبدیل ہو گیا ہے - حلقہ ماہنامہ میثاق سے پتہ کی تبدیلی نوٹ کرنے کی درخواست ہے -

ماہنامہ میثاق - ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فروری ۷۷ء کا شمارہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ اس شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا وہ خطاب شامل ہے جو موصوف نے ۱۸ ذوالحجہ (۱۰ دسمبر) اور ۱۹ ذوالحجہ (۱۱ دسمبر) کو بالترتیب مسجد خضرا اور مسجد لائن والی شیرانوالہ (مولانا احمد علیؒ کی مسجد) میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر کیا تھا۔ بعدہٗ اسی موضوع پر ۲۵ ذوالحجہ (۱۷ دسمبر) کو بھی مسجد خضرا میں خطاب ہوا۔ یہ تینوں خطاب ٹیپ کر لیے گئے تھے۔ ان کو ٹیپ سے منتقل کر کے یکجا کیا گیا اور قدرے حک و اضافے کے ساتھ اس خطاب کی پہلی قسط اس شمارے میں پیش کی جا رہی ہے۔ دوسری قسط ———— ان شاء اللہ آئندہ پیش ہو گی! ———— سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ شہیدِ مظلوم تو ہیں ہی ——— اس پر ستم یہ ہے کہ آنجنابؓ کی سیرتِ مبارکہ اور آپؓ کے مناقب و فضائل ہماری تاریخ کے اوراق میں دب کر رہ گئے ہیں۔ ان کا عام چرچا تو درکنار ہمارے اچھے خاصے تعلیمیافتہ اور دین دار افراد بھی ان سے نہ صرف نابلد و ناواقف ہیں بلکہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں اور ان کے تحت الشعور میں حضرت عثمانؓ سے ایک سوءِ ظن موجود ہے۔ بعض حضرات ایک معروف صاحب فکر و قلم کے نظریات اور تحریرات کی وجہ سے شعوری طور پر نہ صرف خلیفہ ثالثؓ سے بدگمان ہیں بلکہ بعض دوسرے جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے بھی سوءِ ظن میں مبتلا ہیں۔ دریں حالات ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ خطاب سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق پھیلائی ہوئی بہت سی غلط فہمیوں اور مغالطوں کو دور کرنے کی ایک حقیر سی کوشش ہے۔ امید ہے کہ قارئین میثاق اس خطاب کو پسند فرمائیں گے۔

قارئین میثاق کو یاد ہو گا کہ تنظیم اسلامی کا تاسیسی اجلاس ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء مطابق ۱۳، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اس تاسیسی اجلاس کی روداد ———— ضبط تحریر میں اجتماع کے بعد ہی آ گئی تھی۔ لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس روداد کی پہلی قسط اس شمارے میں پیش کی جا رہی ہے۔

یہ روداد غالباً تین اقساط میں مکمل ہو گی۔

مرکزی انجمن کے زیر اہتمام منعقدہ ایک سالانہ قرآن کانفرنس میں جناب حافظ احمد یار صاحب استاذ جامعہ پنجاب نے اپنا فاضلانہ اور محققانہ مقالہ "حفاظت متن قرآن" پیش فرمایا تھا۔ اس مقالے کی چار اقساط سابقہ شماروں میں شائع کی جا چکی ہیں۔ اب کی پانچویں قسط اس شمارے میں شامل ہے۔ یہ مقالہ شاید دو قسطیں اور لے گا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام ماہ اگست ۷۶ء میں ہفت روزہ قرآنی تربیت گاہ کی رپورتاژ کی آخری قسط اس شمارے میں پیش خدمت ہے۔ ہم نے گذشتہ شمارے میں عرض کیا تھا کہ اس رپورتاژ کو محض ایک رپورٹ یا روداد نہ سمجھا جائے بلکہ اس کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو ان شاء اللہ اس میں دعوت رجوع الی القرآن اور دعوت الی اللہ کے بہت سے اہم نکات قارئین کرام کے سامنے آئیں گے۔ اسی عرضداشت کا ہم اعادہ کرتے ہیں۔

ان مضامین کی وجہ سے ضخامت میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ مستقل عنوانات کے لئے اس شمارے میں گنجائش نہ نکل سکی۔ سالانہ قرآن کانفرنس کا انعقاد مرکزی انجمن کے پروگراموں کا ایک مستقل جزو بن گیا ہے۔ چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس ان شاء اللہ العزیز لاہور میں ۲۵، تا ۲۷، مارچ منعقد ہو گی۔ کانفرنس کے انعقاد کے مقام کے لئے فی الحال ٹاؤن ہال یا یونیورسٹی ہال پیش نظر ہیں۔ توقع ہے کہ فروری کے اواخر تک مقام کا حتمی فیصلہ ہو جائے گا۔ جس کا اعلان ان شاء اللہ مارچ کے میثاق کے شمارے میں کر دیا جائے گا۔

قرآن اکیڈمی میں بحمد اللہ اسٹاف کوارٹرز کی تعمیر کا مرحلہ مکمل ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تو وسط دسمبر ہی میں قرآن اکیڈمی میں منتقل ہو گئے تھے۔ وسط جنوری ۷۷ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن۔ اس کے مکتبے نیز ماہنامہ میثاق اور تنظیم اسلامی کے دفاتر بھی قرآن اکیڈمی میں منتقل ہو گئے ہیں۔ قرآن ہال کے BASEMENT کی اب پلاسٹر اور فنشنگ کا مرحلہ جلد شروع ہونے والا ہے۔ جملہ وابستگان سے التماس ہے کہ مذکورہ بالا تمام اداروں کے لئے حسب ذیل جدید پتہ نوٹ فرما لیں۔

۳۶ - K، ماڈل ٹاؤن - لاہور

ٹیلیفون بھی آگیا ہے۔ اس کا فون نمبر ۸۵۲۶۱۱ ہے۔

حافظ احمد یار صاحب
اُستاذ شعبۂ اسلامیات جامعہ پنجاب

حفاظتِ متنِ قرآن
(۵)

۴۵۔ان مصاحف کی تیاری اور اشاعت کے بعد حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے مشورہ اور اجماع سے ہی یہ فیصلہ بھی کیا کہ مختلف علاقوں میں جو غلط اختلافات اور باہم مخالف قراءات رکھنے والے مصاحف رائج ہو چکے ہیں وہ یا تو اس مستند ایڈیشن کے مطابق درست کر لئے جائیں یا بحق سرکار ضبط کر کے تلف اور ضائع کر دیئے جائیں ۔ ان نسخوں کو تلف کرنے کے لئے مکتوب علیہ مواد کے مطابق جلا ڈالنے، پھاڑ دینے یا بعض دفعہ تیزاب وغیرہ سے دھو ڈالنے کا عمل اختیار کیا گیا ـــــــ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خراسان سے مصر اور دربند سے صنعاء تک پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں موجود ہر نسخۂ قرآن (ان چھ سات نسخوں کے علاوہ) تلف کر دیا گیا ۔ ایسا ہونا ہی ناممکن تھا اور ایسا کرنا حضرت عثمانؓ یا کسی بھی اور کے بس کی بات ہی نہ تھی ۔ بفرض محال ایسا ہو بھی جاتا تو سینوں سے قرآن کس طرح نکالا جا سکتا تھا ۔ بات دراصل "نیا قرآن" ٹھونسنے کی نہیں تھی اپنے اپنے نسخۂ قرآن کو صحابہ کے اجماعی اہتمام سے شائع ہونے والے صحیح ترین نسخہ کے مطابق ٹھیک کر لینے کی تھی ۔ بعض یا بہت سے "غلطیوں والے" نسخوں کے اتلاف سے لوگوں کے ذہنوں میں "صحت متن قرآن" کے اہتمام اور اہمیت کو واضح کرنا مقصود تھا[1] ۔ اگر مصحف عثمانی سے کچھ بھی اختلاف رکھنے والے ہر نسخۂ قرآن کا اتلاف مقصود ہوتا تو پھر مصحف ابی بکرؓ بھی (جس کے بعض الفاظ

---

[1] عہد عثمانی کے بعد سے آج تک ہر جگہ اور ہمیشہ خصوصاً دورِ طباعت میں "اغلاط سے مبرا" نسخۂ قرآن کی کتابت اور اشاعت کا اہتمام ایک بنیادی دینی فریضہ سمجھا جاتا رہا ہے ۔ مصحفِ عثمانیہ اس سمت میں پہلا پیشوایانہ اقدام تھا ۔ بعد دور میں اس اہتمام کا کچھ ذکر آگے دورِ طباعت میں آئے گا ۔

یقیناً بدلے گئے تھے، گو رسم الخط کی حد تک ہی سہی) فوراً جلا دیا جانا چاہیے تھا۔ دراصل وہ غلطیوں والے مصاحف "کے ضائع کرنے کی ضرورت بھی اس لئے محسوس ہوئی کہ ایک[1] تو شاید بعض لوگ محض ضد یا محض ناواقفیت کی بنا پر غلط کو ہی درست سمجھنے پر اصرار کرنے لگیں دوسرے[2] مصاحف عثمانی کی اشاعت سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ بعض جلیل القدر صحابہؓ کے ذاتی مصاحف میں ——— (اور خود ان مصاحف سے متعدد مصاحف تیار ہو کر رائج ہو چکے تھے) کسی نہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ایک آدھ ایسی شدید غلطی موجود تھی جسے "سبعہ احرف" کے تحت بھی کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آب تک معوّذتین کو قرآن کریم کی سورتیں ہی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ان سورتوں کو جانتے اور پڑھتے تھے مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سورتیں پڑھ کر حسنینؓ پر دم کرتے دیکھا تھا۔ اس بنا پر وہ انہیں صرف دعا سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت ابی بن کعبؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے مصاحف میں دعائے قنوت (برائے وتر) کو قرآن کریم ہی کا جزء (سورت) سمجھ کر لکھ دیا گیا تھا[1]۔ یہ بزرگواران چند صحابہ میں سے تھے جنہوں نے مصحف صدیقی سے الگ اس سے قبل یا بعد اپنے طور پر اپنے مصاحف مکمل کئے تھے (دیکھئے اسی مضمون کا پیرا نمبر ۱۹۔ میثاق جنوری ۷۷ء ص ۱۸) ——— ان کے نسخے اس اجتماعی اہتمام سے تیار نہیں ہوئے تھے جو مصحف صدیقی کی تیاری میں مدنظر رکھا گیا تھا ——— اب صحابہ کرامؓ کی عظیم اکثریت کی زندگی ہی میں، مصحف ابی بکرؓ کی بنیاد پر مصاحف عثمانیؓ کے ذریعے صحیح متن قرآن کی اشاعت نے ان کی انفرادی غلطی واضح کر دی۔ ایک ہی آدمی کی تقریر سننے والے ہزاروں ——— یا ایک ہی استاد کے سو شاگردوں میں سے ایک آدھ تو (نسبتاً زیادہ ذہین اور لائق ہوتے ہوئے بھی) وہی بات دوبارہ بیان کرنے میں غلطی کر سکتا ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ صرف ایک دو ہی درست بیان کریں اور اکثریت سے وہ بات پوشیدہ رہ جائے ——— بلکہ اس قسم کی غلطی کے انکشاف سے مصاحف عثمانی کی بروقت اشاعت کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ابتداءً اگرچہ عبداللہ بن مسعودؓ

---

[1] حضرت ابی ابن کعبؓ کی وفات ۳۰ھ میں (مصاحف عثمانی کی اشاعت سے پہلے) ہو چکی تھی مگر ان کے مصحف سے کئی مصاحف خصوصاً شام میں شائع ہو گئے تھے۔

نے بشری تقاضوں کے عین مطابق محض اپنی جلالتِ علمی اور سبقت فی الاسلام کی بنا پر (جس میں وہ یقیناً حضرت عثمانؓ کی تشکیل کردہ کمیٹی کے بیشتر اراکین سے بدرجہا فائق تھے)، اپنی بات پر اصرار کرنا چاہا ـــــ مگر صحابہؓ کے اجتماعی علم کے سامنے بہت جلد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور انہوں نے اپنے اصرار سے رجوع کر لیا۔

ـــــ یہ بات ہمارے سلف صالحین کے حسن نیت، حقیقت شناسی اور حق پسندی کا ثبوت اور نمونہ ہے کہ محض ایک آدھ غلطی کے ارتکاب یا اس کی نشاندہی پر کسی کی دینی فضیلت یا علمی عظمت سے یکسر انکار بھی نہیں کر دیا جاتا تھا اور نہ ہی غلطی پر اصرار کو وقار کا سوال بنا لیا جاتا تھا۔ ورنہ آج کل کیا ہم یہ نہیں دیکھ رہے کہ کسی آدمی (خصوصاً علمی و سیاسی طور پر نمایاں شخصیت) کو یا تو سو فیصد درست، برحق اور غلطی سے پاک مانا جاتا ہے یا پھر اسے سو فیصد مردود اور مجموعۂ اغلاط تصور کر لیا جاتا ہے۔ اس قسم کا انتہا پسندانہ رویہ فطرتِ انسانی سے ناآگہی کی بنا پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ـــــ خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا ہم پھر اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

(۳۶)۔ مصحف ابی بکرؓ کی اساس پر مصاحف عثمانی کی تیاری اور اشاعت صحابہ کرامؓ کے اجماعی مشورہ اور فیصلہ کی بنا پر عمل میں آئی تھی۔ (اور اس وقت تک جلیل القدر صحابہؓ کی غالب اکثریت موجود تھی)۔ یہی وجہ تھی کہ پورے عالمِ اسلامی میں صحتِ متنِ قرآن کے لئے مصاحف عثمانی کو بالاتفاق معیارِ صحت ـــــ بلکہ اس مقصد کے لئے وقت کی اہم ضرورت تسلیم کر لیا گیا۔

ـــــ کسی صحابی سے مصاحف عثمانی کے کسی ایک لفظ کی بھی صحت اور سند تواتر کے بارے میں شک یا اختلاف منقول نہیں ہے۔ اگر کوئی اختلاف ہوا بھی تو وہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت یافتہ اختلاف قراءات (سبعہ احرف) کو ختم یا محدود کرنے کے فیصلہ" سے اختلاف تھا۔ اس سلسلے میں عموماً سب سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلاف اور تلخ رویہ کا ذکر کیا جاتا ہے اس پر تفصیلی بحث تو آگے آئے گی۔ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (یا کسی بھی اور صحابی) نے کبھی یہ نہیں کہا کہ حضرت عثمانؓ کے ایڈیشن میں فلاں لفظ یا عبارت بالکل غلط اور بے سند ہے۔ نہ ہی انہوں نے مصاحف عثمانی میں اختیار کردہ

قراءات کی بجائے اپنی کسی قراءت کے رکھے جانے پر اصرار کیا ۔ وہ صرف ——— صحابہؓ کی اجماعی سند اور تواتر سے ثابت صحیح و مختار نص کے ساتھ ——— اپنی ذاتی سند کی بناء پر بعض جگہ اپنی قراءت بھی پڑھنے پر مُصِر تھے ——— حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھ صحابہ کی غالب اکثریت نے سمجھ لیا تھا کہ "سبعہ احرف" کے تحت، ایک محدود دائرے کے اندر اختلاف بھی صرف جائز اور مصلحتاً "اجازت یافتہ" تھا۔ فرض اور واجب نہیں تھا کہ اسے لازماً برقرار رکھا جاتا اور اس حالت میں بھی جب کہ ایک دوسرے کی سند یا لہجہ سے ناواقفیت غیر عرب مسلمانوں کے لئے اختلاف سے بڑھ کر تنازعہ کی شکل اختیار کرنے لگی تھی۔ اس لئے "سبعہ" کے اذن کے نام پر رواج یافتہ بعض غیر معتبر اور غیر صحیح قراءات کا ترک ضروری سمجھا گیا ——— مثلاً لہجوں کے تفاوت پر مبنی وہ قراءت جو "اجازت یافتہ" تو تھیں مگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قراءت سے پڑھنا ثابت نہ تھا۔ یا وہ قراءت جو بعض صحابہؓ کے نزدیک خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھیں مگر انکی قرآنیت پر تواتر کی شہادت موجود نہ تھی۔ یا ایسے تفسیری الفاظ جو بعض صحابہ نے اپنے مصاحف میں ذاتی استفادہ کے لئے نوٹ کئے تھے مگر انہیں بھی قرآنی قراءت سمجھا جانے لگا تھا ۔ مصاحف عثمانی کی تیاری کا مقصد مطلق ہر طرح کے اختلاف قراءت ——— صحیح یا غلط، معتبر یا غیر معتبر ——— کو یکسر ختم کر کے ——— ایک ——— اور صرف ایک ہی ——— قراءت پر مجبور کرنا نہیں تھا ——— ایسا کرنا عقلاً بھی درست نہ ہوتا۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق شہرت و تواتر ثابت، مختلف قراءات میں سے بعض کو بالکل ختم کرنے کی کوشش الٹا اختلاف بڑھانے والی بات ہوتی ——— اس قسم کے متنوع مگر مصدقہ اور مستند اختلاف قراءات کو تسلیم کر کے انہیں برقرار رکھنے کے لئے ہی تو سوچ سمجھ کر "محتمل قراءات" رسم الخط (ہجا) کو اختیار کیا گیا ——— بلکہ بعض صورتوں میں، جہاں اس قسم کا مشترک یا واحد رسم الخط (ہجا) ممکن نہ تھا وہاں کسی نسخے میں ایک قراءت اور کسی میں دوسری قراءت اختیار کی گئی[1]۔

---

[1] مصاحف عثمانی میں گنتی کے چند ایک باہمی اختلافات پر بھی مزید بحث آگے آئے گی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے اختلاف رسم پر مبنی اختلافِ قراءات کے لئے مصاحف عثمانی میں ایک ہی نسخے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

اس طرح آسانی کے لئے کم سے کم اختلاف کی طرف رجوع کرتے ہوئے تمام متواتر اور معتبر قراءات کو مصاحف عثمانی کے طریق املاء اور رسم الخط کے اندر محصور کر دیا گیا۔ اب اس رسم الخط سے خارج قراءات کو محض ذاتی سند کی بنا پر پڑھنے کی اجازت تو تھی، مگر امت کو اس کا پابند کرنے ــــــ یعنی نماز میں ایسی قراءت پڑھنے ــــــ یا کتابت مصحف میں ایسی قراءت اختیار کرنے کی "اجازت"۔ ــــــ ختم کر دی گئی ــــــ متن سے باہر رکھ کر مہارت فن یا کسی اور علمی غرض کے لئے اس قسم کی "کم معتبر" قراءات سے بحث و اشتغال کو مطلقاً ممنوع قرار نہیں دیا گیا تھا۔ [1] یہی وجہ تھی کہ مصحف عثمانی سے خارج مگر عند البعض مستند انفرادی یا شاذ قراءت کے بارے میں مطالعہ اور بحث کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا [2] بلکہ قراءت، تفسیر، لغت، بلاغت اور حدیث و فقہ کی کتابوں میں ان کے استعمال اور حوالے کا رواج اپنے اچھے اور بُرے نتائج کے ساتھ جاری رہا۔

(۳۷) مصاحف عثمانی کی اشاعت دراصل تعلیم قرآن اور حفاظت متن قرآن کے لئے ان ہی دو بنیادی اصولوں کے مطابق عمل میں آئی جو عہد نبوی سے رائج اور نافذ چلے آتے تھے یعنی حفظ اور کتابت ــــــ حفظ

بقیہ حاشیہ صفحہ: ہیں ایک قراءت متن کے اندر اور دوسری حاشیہ پر لکھنے سے پرہیز کیا گیا۔ اس سے تصحیح کا شبہ ہو سکتا تھا۔ مصاحف عثمانی کی پشت پر اسی قوت تواتر اور اہتمام صحت کا نتیجہ تھا کہ ان کے باہمی اختلافات بھی یکساں مستند قرار دیئے گئے۔ ان میں سے کسی ایک کی ترجیح سہولت قراءت کے لئے اختیار کی جاتی ہے دوسرے کے رد و انکار کے لئے نہیں۔ قراء کے علاوہ عام حضرات کے لئے یہ بات شاید خلجان کا موجب ہو۔ اس لئے مزید بحث آگے آرہی ہے۔

[1] یہی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اپنے آخری ایام میں بلوائیوں کے سامنے کہی تھی ــــــ جو حضرات ہماری بحث اور مضمون کے ختم ہونے سے پہلے (کہ مضمون بڑی سست روی کے ساتھ اقساط میں آرہا ہے) اس موضوع پر مزید پڑھنا چاہتے ہوں ان سے مرحوم الدکتور عبداللہ دراز کی کتاب "المدخل الی القرآن الکریم" کے صفحہ ۱۳-۴۲ کا مطالعہ کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔

[2] جیسا کہ نادانی یا بددیانتی کی بنا پر جیفری نے اپنے مقدمہ کے شروع میں لکھ دیا ہے۔ جیفری کے مغالطوں پر مزید بحث آخر پر آئے گی۔

میں تلفظ (اور ترتیب الفاظ بھی) بذریعہ تلقی و سماع یعنی مستند آدمی کی زبان سے سن کر سیکھنا ــــ اور کتابت میں صرف مستند تحریر سے بعینہ نقل کرنا ــــ لازمی تھا۔

(دیکھئے اسی مضمون کا پیرا نمبر ۱۳، اور ۱۹ ۔ میثاق ستمبر ۷۵ء اور جنوری ۷۶ء)

قرآن حفظ کرنے والا تو (کم از کم بعض صورتوں میں ــــ مثلاً نابینا یا بالکل ناخواندہ حافظ) صرف صحتِ تلفظ کے لئے استناد بذریعہ تلقی و سماع کا محتاج ہوتا تھا اور یہ کام تحریر کے بغیر بھی سرانجام پا سکتا تھا۔ لیکن عام ناظرہ خواں طالب قرآن (خصوصاً کم علم یا غیر عرب عوام) کو مستند تحریر سے مستند تلفظ سیکھنے کے لئے تعلیم کی ضرورت تھی۔

دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں سمجھئے کہ مطلق تعلیم تو بغیر تحریر یا کتابت کے محض زبانی یا شفاہی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس قسم کی تعلیم کا دائرہ کبھی وسیع نہیں ہو سکتا۔ تعلیم اور علم کو عام کرنے کے لئے قلم (تحریر) کا استعمال لازمی ہے ــــ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ میں اسی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ــــ پھر ایسی تعلیم یا خواندگی جس میں قلم، کتابت اور تحریر کا استعمال شامل ہو ــــ اس کا پہلا مرحلہ (کسی تحریر کا) پڑھنا (READING) ہے، دوسرا مرحلہ لکھ سکنا (WRITING) اور تیسرا مرحلہ سمجھ سکنا (UNDERSTANDING) ہے۔ قرآن کریم ــــ یا کم از کم اس کے کسی حصے ــــ کی تعلیم ہر ایک مسلمان کے لئے واجب ہے۔ اس واجب کے ادا کرنے کی کم سے کم صورت تو "درست تلفظ کے ساتھ حفظ کر لینا یا زبانی پڑھ سکنا" بھی ہو سکتا ہے ــــ لیکن تعلیم قرآن کو ہر ایک مسلمان تک پہنچانے اور اس میں عموم و وسعت پیدا کرنے کے لئے کتابت سے امداد لینا ضروری ہے ــــ ــــ لہٰذا تعلیم قرآن بذریعہ تحریر کا پہلا قدم "مکتوب قرآن کو ٹھیک ٹھیک لکھا ہوا ہونا چاہیئے ــــ اور درست پڑھنے کے لئے یا درست پڑھنا سکھانے کے لئے ــــ پڑھا جانے والا مواد ٹھیک ٹھیک لکھا ہوا ہونا چاہیئے۔ ــــ اور تعلیم قرآن کے لئے یہی وہ بنیادی ضرورت تھی جو مصاحف عثمانی نے پوری کی ــــ یعنی ان کے ذریعے (جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں) ــــ تمام مستند قراءات ــــ تلفظ کی تمام صحیح اور مستند صورتوں کو

تحریر یا کتابت یعنی املاء و رسم کی حد تک لفظ کی ایک اور صرف ایک صورت کے اندر محصور کر دیا گیا ـــــ اگر معاملہ قراءات یا تلفظ کے ہر قسم کے اختلافات کو مٹا کر ایک اور صرف ایک تلفظ یا قراءت اختیار کرنے کا ہوتا تو یہ کام ـــــ (اچا ہے یہ اپنے نتائج کے لحاظ سے اختلاف مٹانے کی بجائے الٹا اختلاف کا سبب بنتا کیونکہ دینی امور میں طبائع عموماً ناجائز جبر سے بغاوت کرتی ہیں) ـــــ حضرت عثمانؓ کی قائم کردہ کمیٹی کے لئے املاء یا رسم الخط کے اختیار میں بڑی آسانی کا باعث بنتا ـــــ ہمیں معلوم ہے کہ اس کمیٹی کو الفاظ کے مخصوص رسم الخط اور طریق املاء کے تعین کے لئے بہت محنت اور احتیاط سے کام لینا پڑا تھا ـــــ کہیں تو قراءت کے متعدد مگر مستند احتمالات کے مطابق مشترک رسم اختیار کیا مثلاً ملک (مالِك اور مَلِك ہر دو کے لئے) اور کہیں نسبتاً کم مستند احتمالات کو ختم کر دینے والا رسم الخط اختیار کیا مثلاً تابوہ کی بجائے تابوت ـــــ

مصاحفِ عثمانی کے رسم الخط میں ملحوظ رکھے گئے اس اہتمام سے چند امور نکھر کر ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ اوّلاً یہ کہ اس کمیٹی کے ارکان (اور دیگر تمام پڑھے لکھے صحابہؓ خصوصاً کاتبانِ وحی) عربی زبان کے قواعدِ املاء اور اصولِ کتابت سے کما حقہٗ آگاہ تھے ـــــ محتمل قراءات لفظِ واحد کی تعیینِ رسم کے لئے یا کسی اور معقول وجہ کی بناء پر بعض دفعہ انہیں اُس زمانے کے رائج اور متعارف قواعدِ املاء سے ہٹ کر مخصوص املاء یا رسم الخط اختیار کرنا پڑا ـــــ اس خلافِ قاعدہ رسم الخط کے اختیار کرنے میں مہارتِ فن اور حکمتِ دین دونوں شامل ہوتی تھیں[1] ثانیاً یہ کہ کمیٹی کے یہ ارکان ہرگز اپنی من مانی نہیں کر رہے تھے نہ وہ اس کے مجاز تھے اور

[1] بعد میں عربی زبان کے املاء و ہجا کے قواعد میں مزید علمی ارتقا ہوا تو قرآن کریم میں اس طرح خلافِ قاعدہ اور غیر متعارف املاء کے ساتھ لکھے جانے والے الفاظ کی حکمت سے ناواقفیت کی بناء پر بعض اہلِ علم نے ـــ جن میں ابن خلدون جیسا نمایاں نام بھی شامل ہے ـــــ یہ نظریہ پیش کیا کہ صحابہؓ کے زمانے تک عربی زبان کی کتابت و املاء کے قواعد بالکل مبتدیانہ تھے اس لئے وہ بعض الفاظ کو "غلط املاء" کے ساتھ لکھتے رہے ۔ قرآن کریم میں بلحاظِ رسم ایسے خلافِ قاعدہ الفاظ کی حکمتوں سے قطع نظر یہ حقیقت بھی اس نظریہ کی تردید کے لئے کافی ہے کہ اچھے سارے ارتقاء کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہ ایسا کرنا ان کے لئے ممکن ہی تھا ـــــ خود حافظِ قرآن ہوتے ہوئے بھی وہ مصحف ابی بکرؓ کو سامنے رکھ کر کام کرنے کے پابند کر دئے گئے تھے ـــــ ان کا کام زیادہ تر اسی مصحف کی نقلیں تیار کرنا ہی تھا ـــــ ثالثاً یہ کہ اس سے مصحف ابی بکرؓ کو نئے عثمانی ایڈیشن کی اصل قرار دینے کی اہمیت اور مناسبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ صحت کے اجتماعی اہتمام کے علاوہ باقی انفرادی مصاحف کی نسبت اس مصحف میں تعیینِ رسم الخط کے کام کو بھی آسان بنانے کی زیادہ صلاحیت موجود تھی ۔ اس مصحف کی وجہ سے کمیٹی کا کام بڑی حد تک خود بخود آسان ہو گیا تھا کیونکہ " رسمِ عثمانی ،، قریباً تمام تر " رسمِ صدیقی ،، کی مختار صورتوں پر ہی مبنی تھا ۔ اور اس بارے میں منقول اختلافات نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ فرق صرف یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے تک لوگوں کو اس مصحف (ابی بکرؓ) کے مختار رسم الخط کا پابند نہیں کیا گیا تھا نہ اس کی ضرورت ہی تھی ۔ بلکہ مستند یا "اجازت یافتہ" یعنی سبعہ احرف کے اختلاف قراءات کے مطابق کتابت یا املاء اختیار کر لینے کی بھی اجازت موجود تھی ۔ اور دراصل یہی " اجازت ،، ختم کرنے کی ضرورت ہی تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں محسوس ہوئی تھی جس کی وجوہات پہلے بیان ہو چکی ہیں ـــــ اس طرح مصاحفِ عثمانی کے ذریعے قرآن کریم کی درست **قراءات کے لئے درست تحریر کی ایک معیاری صورت بھی متعین** کر دی گئی اور سب کو اس کا پابند بھی کر دیا گیا ـــــ یعنی ٹھیک ٹھیک پڑھنے کے لئے ٹھیک لکھا ہوا متن مہیا کرنے کی بنیادی تعلیمی

(بقیہ حاشیہ صـــ) باوجود آج بھی عربی زبان میں متعدد الفاظ کا خلاف قاعدہ املاء موجود ہے مگر اسے چودہ سو سال سے رائج چلے آنے کی سند حاصل ہے ، اس لئے ایسے الفاظ کو قواعد کے مطابق لکھنے کی کوشش غلطی شمار ہوتی ہے ـــــ قرآن کریم کے اس مخصوص رسم الخط میں پوشیدہ حکمتوں پر مختلف کتابوں میں اس قدر موجود ہے کہ یہ ایک مستقل تالیف کا موضوع بن سکتا ہے ۔ علامہ تمنا عمادی (کی انتہا پسندانہ اور مغالطہ آمیز آراء سے شدید اختلاف کے باوجود اس اس موضوع پر ان) کی کتاب اعجاز القرآن کے صـ ۶۰ ـ ۵۶ کے پڑھنے کی دعوت دی جا سکتی ہے ۔

ضرورت بھی پوری کر دی گئی ـــــــ کم علم لوگوں ـــــــ عوام ـــــــ کو ان کے فہم وعلم سے ماورا علمی اختلافات میں الجھنے سے بچانے کا بندوبست بھی کر دیا گیا[1] اور اس کے باوجود اہل علم اور اربابِ استعداد کے لئے مستند متنوع اور معتبر و مفید جہات علم و تدبر کا راستہ بھی بند نہیں کیا گیا ۔

(۳۸) کتابت، املاء، ہجا اور رسم الخط کی اس مضبوط اساس اور یکسانیت پیدا کرنے کی اس ساری احتیاط کے باوجود اختلافِ قراءات اور متنوع تلفظ کا دروازہ یکسر بند نہیں ہوا ـــــــ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔ یہ بات مصاحف عثمانی کا مقصود بھی نہ تھی ـــــــ البتہ اس سے اختلاف قراءات کا دائرہ محدود ہو گیا اور اختلاف کے جواز یا عدم جواز کی بنیادی حدود متعین ہو گئیں ـــــــ مصاحف عثمانی کی اشاعت کے بعد اختلافِ قراءات کے امکان و اسباب اور اس کے درجۂ خطا و صواب کی پوزیشن یوں ہو گئی :

۱ ۔ ایسی قراءت جو رسم عثمانی سے بالکل مختلف ہوتی ۔ یعنی لفظ اور اس کے حروف ہی بالکل بدل جاتے یا کوئی حذف یا اضافہ واقع ہوتا ـــــــ یا لفظ کی املاء میں جزوی تغیر لازم آتا ـــــــ ایسی "قراءات" کا قرآن میں لکھنا تو یکسر ممنوع قرار دیا گیا ـــــــ البتہ اگر کوئی آدمی اپنی ذاتی سند کی بنا پر اسے درست سمجھتا اور پڑھتا تو اسے بالکل گردن زدنی بھی قرار نہیں دیا گیا ۔ کیونکہ اس قسم کے اختلاف کی توجیہ بھی ہو سکتی تھی ـــــــ مثلاً یہ کہ کسی سننے والے نے کسی توضیحی لفظ کو قرآن سمجھ لیا ۔ یا کسی صحابی نے اپنے مصحف میں کوئی تفسیری لفظ لکھا جسے اس کے تلامذہ نے قرآنی لفظ قرار دے لیا ۔ اس صورت میں یہ "قراءت" تفسیر الفاظ میں ممد ہو سکتی تھی۔ اور اس کا قرآن نہ ہونا بھی حفظ کے تواتر سے ثابت ہو جاتا تھا ـــــــ اس لئے

[1] برسبیل تذکرہ یہاں یہ بیان کرنا بے محل نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر و خیال میں اختلافی مسائل میں شدت، اور اختلاف سے بڑھ کر مخالفت، کا رنگ پیدا کرنے میں ان طالع آزما انشا پردازوں اور عوامی تقریر بازوں کا بڑا دخل ہے جو علمی مجالس سے مختص کلامی اور علمی مسائل کو پبلک جلسوں میں اور صحافت کے چوراہے پر موضوع بحث بنا کر کم علم عوام کے جذبات کا استحصال کرتے ہیں ۔

ایسی از روئے تواتر مردود تمام "قراءات"، کو قطعی قرآنی لفظ کا درجہ دے کر اُمت کو اس کا پابند کرنے سے روک دیا گیا۔

۲ - ایسی قراءت جو مصاحف عثمانی کی املاء اور رسم الخط پر ہی مبنی ہوتی مگر اختلاف کی وجہ ان مصاحف کا اس وقت تک اور کئی برس بعد تک، نقط و اعجام سے خالی ہونا ہوتا۔ اس قسم کے اختلاف کی چند صورتیں ممکن تھیں۔

ا ۔ لفظ کو اس طرح پڑھنا کہ عربی زبان میں اس کے کچھ معنی ہی نہ بن سکیں یا معنوں میں نہایت قبیح تغیر واقع ہوتا ہو ـــــ ظاہر ہے اسے قراءت بمعنی "پڑھنا" تو کہہ سکتے ہیں مگر قراءت بمعنی "قرآنی لفظ"، سمجھ کر "قراءت"، کہنا ہی نادرست تھا۔ اور اس کے مرتکب زیادہ تر غیر عرب ہوتے تھے۔ جنہیں استاد کی بتائی ہوئی درست "صورتِ تلفظ"، تو شاید یاد نہ رہتی اور صرف مکتوب لفظ کے تمام حروف کے صحیح یا غلط تلفظ کو قراءت کا تقاضا سمجھ لیتے۔ یہ اس قسم کی غلطی تھی جس کے مرتکب ہمارے اکثر ناظرہ خواں (باوجود ضبطِ حروف کے) ہوتے رہتے ہیں ـــــ بلکہ اسی قسم کی شنیع غلطیوں کے تدارک کے لئے ہی مصاحف عثمانی کی اشاعت سے پچاس برس کے اندر، الفاظ کی صحیح قراءت کو ضبط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس ضرورت کے تحت ہی نقط و اعجام اور شکل و حرکات یعنی ضبط کے اصول وضع کئے گئے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ب ۔ لفظ کو اس طرح پڑھنا کہ عبارت کے معنوں میں بھی کوئی قبیح خلل نہ پڑتا ـــــ یعنی عربیت کے لحاظ سے وہ صحیح فقرہ یا صحیح و بامعنی عبارت ہی بنتی مگر لفظ یا "قراءت"، کی یہ صورت یا تو مطلقاً کسی بھی سند سے "عن الرسول" ثابت نہ ہوتی یا تواتر اور شہرت سے ثابت نہ ہوتی۔ اس قسم کی قراءات کو ان کی سند کے ضعف یا قوت کے پیش نظر مقبول اور مردود کے مختلف مدارج میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ ایسی قراءات کی لغوی یا نحوی یا تفسیری افادیت کی بنا پر ان سے بحث اور استدلال میں کام تو لیا جا سکتا تھا۔ مگر ۔ تواتر سے محروم ہونے کی بنا پر انہیں بھی "قرآن"، ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا۔

ج ۔ لفظ کو ایک یا ایک سے زائد ایسی قراءات یا تلفظ میں ادا کرنا جو بسندِ

متواتر مروی ہو اور جس کی قرآنیت پر کبھی کسی کو شبہ نہ ہو سکتا ہو ــــــ اور دراصل صحیح قراءت کی یہی صورت تھی۔ اور اس دائرے کے اندر اختلاف قراءات جائز اور درست تھا ــــــ اور اختلافِ قراءات کو اسی حد کے اندر محدود رکھنے کی تعلیم کے لئے ہی حضرت عثمانؓ نے مصاحف عثمانی کے ساتھ قرار بھیجے تھے[۱] ــــــ اور اسی لئے یہ اختلاف آج تک درست قرار دیا جاتا ہے بلکہ فن قراءت اور علم تجوید کا موضوع یہی ہے ــــــ جاری ہے

[۱] پوری اُمت کو ازسرنو "نیا قرآن" پڑھانے کے لئے نہیں بھیجے تھے ــــــ اور نہ ایسا ممکن ہی تھا۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی اہم تصانیف

و اسلامی قانون کی تدوین ــــــ قیمت ۵ روپے
ہمارے ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ پاکستان کے قیام کے آغاز ہی سے موجود ہے اس قانون کے نفاذ کی طرف رہنمائی میں مولانا موصوف کی یہ تصنیف انتہائی مفید ہو سکتی ہے۔
انبیاء کرام کے طریقِ دعوت اور نہج انقلاب کے موضوع پر

و دعوت دین اور اس کا طریق کار
صفحات ۲۱۲ مضبوط جلد اور خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ قیمت ۱۰ روپے

و اقامتِ دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار
صفحات ۲۸ خوش نما کور کے ساتھ قیمت ۲۵/۱ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن
۳۶ ۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون نمبر ۸۵۲۶۱۱)

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

دعوت الی اللہ اور اظہارِ دینِ حق علی الدین کلہ

کے لیے ایک نئی اسلامی جماعت

تنظیمِ اسلامی

کے تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۷-۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کی رُوداد

جس دعوتِ اسلامی اور جہادِ فی سبیل اللہ کا علَم سیّد احمد شہید بریلویؒ اور شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے انیسویں صدی کے وسط میں بلند کیا تھا اور جس کی خاطر شہیدین نے بالاکوٹ کے ویرانے کو اپنے اور اپنے رفقائے قدسی کے مقدّس خون سے لالہ زار کیا تھا۔ جس اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت پر مجتمع ہونے کی پکار ۱۹۱۲ء میں 'الہلال' اور 'البلاغ' کے ذریعہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے بلند کی تھی۔ جس دعوت کی صدا ایک ربع صدی سے بھی زیادہ عرصہ تک ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مرحوم نے اپنی اسلامی شاعری کے ذریعہ امتِ مرحومہ کو سنائی تھی اور مسلمِ خوابیدہ کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے حُدی خوانی کی تھی اور بانگِ درا دی تھی۔ جس شہادتِ حق علی النّاس اور اقامتِ دین کی دعوت پر صاحبِ "ترجمان القرآن" مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۴۱ء میں اللہ کے چند مخلص بندوں پر مشتمل ایک قافلہ ترتیب دیا تھا جس نے راہِ حق میں عزیمت کے ساتھ پیش قدمی بھی شروع کی تھی اور جس نے تمام وقتی و ہنگامی اور قومی و سیاسی مسائل سے صرفِ نظر کر کے وطن پرستی اور قوم پرستی کے پُرفتن دور میں ٹھیٹھ اسلامی نہج پر دعوت کا آغاز کیا تھا اور جس نے اپنی تاسیس کے ابتدائی آٹھ دس سالوں میں اپنے عمل سے عزیمت و استقامت اور حق و اصول پسندی کی درخشاں نظائر قائم کی تھیں۔ لیکن جو خود چند مغالطوں اور غلط توقعات سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ اپنے موقف

سے منحرف ہوتے ہوتے ایک اصولی و انقلابی جماعت کے مقام سے ہٹ کر ایک سیاسی و قومی پارٹی کے مقام تک پہنچ گئی تھی۔ جس پر فروری ۱۹۵۷ء کے ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں ارکانِ جماعت کی عظیم ترین اکثریت نے مہرِ توثیق ثبت کر دی تھی۔ اُسی دعوتِ اسلامی، دعوت شہادت علی النّاس، دعوتِ جہاد فی سبیل اللہ اور دعوتِ اظہارِ دینِ حق کی تجدید کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بحمد اللہ 'تنظیمِ اسلامی' کے نام سے ایک اُصولی و انقلابی اسلامی جماعت کی ۱۲/۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۷/۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کو لاہور میں تاسیس و تشکیل ہو گئی۔

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ مُرْسٰھَا، اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

۱۹۶۸ء کے آغاز سے اللہ کے ایک بندۂ عاجز ۔ ڈاکٹر اسرار احمد ۔ نے حلقۂ مطالعۂ قرآن اور ایک منتخب قرآنی نصاب کے ذریعے ۔۔۔ جس نصاب کی بنیاد سورۃ والعصر ہے ۔۔۔ دعوت رُجوع اِلی القرآن شروع کی تھی۔ جس دعوت کا ماحصل یہ ہے کہ ہر فردِ بشر کی اُخروی نجات و کامرانی اور دُنیوی فوز و فلاح کا دار و مدار از رُوئے قرآنِ حکیم چار ناگزیر شرائط کو پُورا کرنے پر ہے۔

- پہلی یہ کہ اللہ پر، رسالت پر، یومِ آخرت پر اور ان ایمانیاتِ ثلاثہ کے تمام مقتضیات و متضمنات پر ایمان لائے، جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے۔
- دوسری یہ کہ اس ایمان کے تقاضوں کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام اعمال اور معاملات کی اصلاح کرے تا آنکہ زندگی کا ہر شعبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کے تابع ہو جائے۔
- تیسری یہ کہ دعوتِ حق کا جھنڈا اُٹھا کر اظہار و اقامتِ دین اور شہادت علی النّاس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اجتماعی طور پر فرض انجام دینے کی خود بھی ہر امکانی سعی کرے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید اور وصیت کرے۔
- چوتھی یہ کہ راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب و شدائد اور ابتلاء و آزمائش کو صبر و ثبات اور استقامت و مصابرت سے خود بھی برداشت کرے اور اپنے دینی و اسلامی اخوان کو بھی اسی کی تاکید اور وصیت کرے[1]۔

---

[1] سورۃ والعصر کی تفسیر کے ضمن میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو شرح لکھی ہے، اُس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔ اس آیۂ مبارکہ میں بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی تباہی

یہ دعوت رجوع الی القرآن تطہیرِ افکار و اذہان اور تعمیرِ سیرت و کردار کا کام انجام دیتے ہوئے تقریباً ساڑھے چار سال کے بعد ۱۹۷۲ء کے وسط میں انفرادی سعی و کوشش کے دائرہ سے نکل کر ایک اجتماعی ادارہ "مرکزی انجمن خدام القرآن" کے تحت منظم ہوئی اور انجمن کی تاسیس و تشکیل عمل میں آئی۔ اس انجمن کی تشکیل و تاسیس کی قرارداد میں بھی اس نظریہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

"اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کا خواب اُمتِ مسلمہ میں 'تجدیدِ ایمان' کی عمومی تحریک کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے اولاً منبع ایمان ویقین یعنی 'قرآنِ حکیم' کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کی جائے۔"

گویا انجمن کی تشکیل سمع و طاعت کے ٹھیٹھ اسلامی اصول پر مبنی ایک اسلامی جماعت کے قیام کی تمہید تھی۔ ہر کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص وقت معین ہوتا ہے کل امر مرھون باوقاتھا۔ چنانچہ وہ مرحلہ بھی قضائے الٰہی سے جولائی ۱۹۷۴ء میں آپہنچا جس میں ڈاکٹر اسرار احمد نے دعوتِ الی اللہ اور دعوتِ اظہار و اقامتِ دینِ حق کے لیے اسلامی اصولوں پر ایک جماعت کی تشکیل کیلئے ۱۲ر جولائی ۱۹۷۴ء کی شام کو اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ کے اختتامی اجلاس میں بایں الفاظ اپنے عزم کا اعلان کر دیا۔

"اب بہت غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق پر توکل اور بھروسے پر میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ میری زندگی میں یہ کام صرف درس و تدریس تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ انشاء اللہ العزیز احیائے اسلام اور غلبۂ دینِ حق ہی عملاً میری زندگی کا اصل مقصود ہوں گے اور میری بہتر اور بیشتر مساعی بالفعل دعوتِ دین اور خلقِ خدا پر دینِ حق کی جانب سے اتمامِ حجت میں صرف ہوں گی گویا "اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط" اور اسی کی دعوت میں اپنے تمام عزیزوں، دوستوں اور تمام جاننے والوں حتیٰ کہ بزرگوں تک کو دوں گا اور پھر جو لوگ اس راستے پر ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں، انہیں ایک نظم میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ سوائے ان کے جو ان چار شرائط کو پورا کریں۔ یعنی ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجات ان چاروں کے مجموعے پر منحصر ہے اور ہر انسان جس طرح اپنی ذات کے بارے میں مسئول ہے (ایمان اور عملِ صالح کے لیے) اسی طرح دوسروں کے بارے میں بعض اُمور کا مکلف ہے جیسے دین کی دعوت، تلقین و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

منسلک کر کے ایک ہیئتِ اجتماعیہ تشکیل دُوں گا جو ان مقاصدِ عالیہ کے لیے منظّم جدّوجہد کر سکے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝ (میثاق ستمبر ۱۹۷۴ء ص۵)

جولائی ۱۹۷۴ء میں اس اعلان اور اظہارِ عزم کے بعد ابتدائی چند مہینے زیرِ تجویز اسلامی جماعت کے خدوخال اور اس کے اصولی نظریات و تصوّرات کی تبیین و تشریح میں صرف ہوئے اس ضمن میں ماہنامہ 'میثاق' کے ماہِ ستمبر ۱۹۷۴ء اور اکتوبر و نومبر ۱۹۷۴ء کے مشترکہ شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ۱۲؍ جولائی ۱۹۷۴ء کا خطاب اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی موصوف کی "جماعتِ اسلامی" میں شمولیت اور اُس سے علیحدگی کی رُوداد اور اس کے موقف سے اساسی و بنیادی اختلافات پر چند اشارات اور گذشتہ مضامین کے چند اقتباسات بھی شائع کیے گئے۔ مزید براں ۶ ؍ تا ۹ ؍ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اجتماعِ رحیم یار خاں میں چند بزرگوں کی مشترکہ مساعی اور اتفاقِ رائے سے ایک نئی اسلامی تنظیم کی تأسیس کے لیے جو قرارداد اور اُس کی توضیحات منظور کی گئی تھیں وہ بھی اشاعت پذیر ہوئیں۔ علاوہ ازیں 'میثاق' کے اکتوبر و نومبر ۱۹۷۴ء کے مشترکہ شمارے میں "تذکرہ و تبصرہ" کے ذیل میں ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز مقالہ شائع ہوا۔ جس میں برّ ِصغیر میں احیائے اسلام کی اب تک مساعی کا اور اُمّتِ مسلمہ کے عروج و زوال کا ایک جائزہ پیش کیا گیا تھا نیز احیائی عمل کے چند اہم پہلو بیان کیے گئے تھے اور بعض شواہد و نظائر کے پیشِ نظر پاکستان میں تجدید و احیائے دین کی منہاج علی النّبوّت پر سعی و جُہد کا عزم کرنے والوں کو نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ کی نوید جانفزا سُنائی گئی تھی۔

اس عرصہ میں لاہور اور کراچی میں قریبی رفقاء سے مجوّزہ 'تنظیمِ اسلامی' کے اساسی دستور اور اُس کی ہیئتِ تنظیمی کے بارے میں تبادلۂ خیال اور مشورے بھی ہوتے رہے نیز ڈاکٹر صاحب موصوف تنظیم کے بارے میں چند اہلِ فکر و نظر اور صاحبِ علم حضرات سے بھی مشورے اور راہنمائی حاصل کرتے رہے۔ بعدہٗ 'تنظیمِ اسلامی' کے اساسی دستور اور ہیئتِ اجتماعیہ کا ایک خاکہ بھی بطور مسوّدہ مرتّب کر لیا گیا اور باہمی مشاورت سے طے کیا گیا کہ مارچ ۱۹۷۵ء کے آخری ہفتہ میں لاہور میں مرکزی انجمن خدّام القرآن کے زیرِ اہتمام جو دوسری قرآن کانفرنس منعقد کی جائے گی تو اس کانفرنس کے اختتام سے متصلاً بعد 'تنظیمِ اسلامی' کی تأسیس کے لیے بھی اجتماع منعقد کر لیا جائے گا۔

اس دوسری قرآن کانفرنس کے آخری اجلاس منعقدہ ۱۲؍ ربیع الاوّل مطابق ۲۶؍ مارچ

۱۹۷۵ء کی صبح اور شام کی دونوں نشستوں میں ڈاکٹر صاحب نے سیرتِ مطہرہؐ پر خطاب فرمایا۔ پہلا خطاب تقریباً ساڑھے تین گھنٹے اور دوسرا خطاب تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کی یہ طویل ترین تقریر تھی، اس تقریر میں وہی دعوت اور وہی پیغام ایک دوسرے رُخ سے پیش کیا گیا جو قرآن کے منتخب نصاب کے ذریعہ تقریباً سوا سات سال سے مسلسل پیش کیا جا رہا تھا۔

قرآن کانفرنس کے اس آخری اجلاس میں ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی اور فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کے فرمانِ نبویؐ نیز كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے ارشادِ ربانی کی تعمیل میں خالص اسلامی اصولوں پر 'تنظیمِ اسلامی' کی تاسیس و تشکیل کے لیے مرکزی انجمن کے دفتر میں ۲۷ اور ۲۸ مارچ کو اجتماعات منعقد ہوں گے۔ جن لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے تعاون اور عمل کا داعیہ بیدار کیا ہو اور جو ہماری بنیادی تحریروں کا مطالعہ کر چکے ہوں۔ اور اُن سے بڑی حد تک مطمئن و متفق ہوں تو ایسے حضرات کل عصر کی نماز کے فوراً بعد مرکزی انجمن کے دفتر میں تشریف لے آئیں تاکہ وہ دعوت الی اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ، دعوتِ جہاد فی سبیل اللہ اور تواصی بالحق و تواصی بالصبر کے دینی فرائض کی انجام دہی کیلئے ایک عزمِ نو کے ساتھ ایک قافلہ ترتیب دے کر راہِ حق میں گامزن ہونے کا فیصلہ ہو سکے۔

---

۲۷ مارچ ۱۹۷۵ء کو پہلے تاسیسی اجتماع میں ایک سو تین حضرات شریک ہوئے جن میں لاہور، کراچی، سکھر، بہاولپور، ساہیوال، لائل پور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، واہ کے مقامات کے اصحاب شامل تھے۔ عصر کی نماز کے بعد اجتماع کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر اضمحلال اور تکان کے اثرات نمایاں تھے۔ اُن کی آواز میں ارتعاش بھی تھا اور انتہائی سوز بھی۔ شرکاء کی اجازت سے ڈاکٹر صاحب نے کرسی پر بیٹھ کر خطبۂ مسنونہ کے بعد حسبِ ذیل آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی :- أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ (آیت ۱۵ سورہ الحجرات)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي

الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ؕ ھُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ وَفِیۡ ھٰذَا لِیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَہِیۡدًا عَلَیۡکُمۡ وَتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰہِ ؕ ھُوَ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُ ﴿۷۸﴾ (آیات ۷۷، ۷۸ سورۃ حج)

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ۝ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۝ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۙ وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَہَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَکَفَرَتۡ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّہِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰہِرِیۡنَ ۝

ان آیاتِ قرآنی کی تلاوت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نہایت دھیمے لیکن مؤثر انداز میں خطاب فرمایا:

راہِ حق کے رفیقو!

کافی انتظار کے بعد بالآخر وہ گھڑی آ پہنچی ہے جس میں ہم میں سے ہر ایک نہ صرف انفرادی اعتبار سے اپنی اپنی زندگیوں کا ایک اہم ترین فیصلہ کرنے چلا ہے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ نے خلوص و اخلاص سے نوازا اور اگر اس کی تائید و نصرت اور توفیق شاملِ حال رہی تو یہ اجتماعی فیصلہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، اُمتِ مسلمہ کے احیاء اور اللہ کے دین کے غلبہ اور اظہار کے سلسلہ میں ایک تاریخی فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ دعوت الی اللہ کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ایک سے زائد بار قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب سے ہمارے سامنے اپنے فرائضِ دینی

کا شعور اور دین کا ہمہ گیر تصور واضح ہو چکا ہے۔ قرآن کانفرنس کے کل کے اجلاس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے ذریعہ بھی یہ بات ایک دوسرے زاویہ سے ہمارے سامنے آچکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی نسبت اور حضورؐ کے دامن سے ہماری وابستگی کا تقاضا بھی وہی ہے جو قرآن حکیم کے اُس منتخب نصاب کا خلاصہ ہے، جس کا ہم متعدد بار مطالعہ کر چکے ہیں۔ کہنے کو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور لکھنے کو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن معاملہ وہی ہے کہ ؎ دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ماہم چناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

رفیقو! مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی اختتامی تقریر آپ کے ذہن میں تازہ ہوگی جس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ ہر شخص کو یہ فہم و شعور قدرت کا ودیعت کردہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؛ شر کیا ہے؟ خیر کیا ہے؟ ساری کمی انسان کے اپنے ارادہ اور ہمّت کی ہوتی ہے۔ عزم و ہمّت کے بودے پن کی وجہ سے وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کونسا رویّہ اختیار کرے اور بسا اوقات قوتِ ارادی کی یہ کمزوری اُسے لے ڈوبتی ہے اور وہ جانتے بوجھتے خیر و صلاح اور فوز و فلاح کے صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفس اور ترغیباتِ شیطانی سے مغلوب ہو کر بدی و شر اور خسران و نامرادی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ مولانا موصوف کا یہ تجزیہ صد فی صد درست ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آج کے اس اجتماع میں جو رفقاء شریک ہیں اُن کو اس بارے میں کوئی اشتباہ نہیں ہوگا کہ ایک بندۂ مومن سے دین کے تقاضے اور مطالبات کیا ہیں؟ اور اس پر دین کی جانب سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے کیا کیا فرائض عاید ہوتے ہیں؟ میرے نزدیک اگر کوئی کمی ہے یا کوئی تقصیر ہے تو وہ صرف ایک ارادہ، ایک عزمِ مصمّم اور ایک فیصلہ کی کمی ہے۔ اس وقت جس چیز کی فی الواقع ضرورت ہے وہ اس دُھن، لگن اور جذبہ کی ضرورت ہے کہ اب زندگی کو بہرحال اس رُخ پر موڑ دینا ہے جو ہمارا مقصدِ وجود ہے اور جو ہمارے رب کو مطلوب و محبوب ہے ؎ ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم!

یا :- بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

رفیقو! یہ فیصلہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ فیصلہ جرأتِ مومنانہ کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اگر انسان خلوص و اخلاص اور ایک عزمِ مصمّم کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور توفیق کے بھروسے پر اس راہ پر ایک مرتبہ گامزن ہو جائے تو یہ کٹھن راہ اس کے لیے آسان بنا دی جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا :- وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط بھروسہ اپنی قوّت اور اپنے وسائل پر نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی تائید و توفیق پر ہو۔ اپنا کام صرف یہ ہو کہ اپنا

سب کچھ راہِ حق میں لاکر ڈال دے، اپنی قوت و صلاحیت، اپنی توانائیاں اپنا مال اور اپنی جان اسی کام کے لیے وقف کر دے۔ اسی میں کھپا دے تو جیسا کہ کہا گیا کہ اَلسَّعۡیُ مِنَّا وَالۡاِتۡمَامُ مِنَ اللّٰہِ ؕ کوشش کرنا ہمارے ذمہ ہے کسی کام کی تکمیل کر دینا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ اس کام کا اتمام و تکمیل کو پہنچنا سراسر اللہ کے اذن اور اس کے فیصلہ پر منحصر ہے اور اللہ کا اذن اور فیصلہ اُس کی حکمت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے ایک اجلِ معین کر رکھی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نشأۃِ ثانیہ اور اُس کے غلبہ و اظہار کے دورِ ثانی کے لیے کون سا وقت مقرر فرمایا ہوا ہے۔ نہیں معلوم کہ دینِ حق کے بالفعل قائم اور جاری و ساری ہونے تک ابھی اللہ تعالیٰ کتنے قافلوں کو اُٹھائے، جو کچھ دُور تک چلیں، چند کٹھن منازل طے کریں، اور پھر تھک ہار کر رہ جائیں۔ پھر کوئی دوسرا قافلہ ایک عزمِ نو کے ساتھ مترتب ہو اور آگے بڑھے اور اس جدّ وجہد کو کسی خاص حد تک لے جائے۔ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ البتّہ ہم یہ جان گئے ہیں اور یہ جان لینا ہی ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مسئول ہیں عزمِ مصمّم کرنے پر، اور ہم مسئول ہیں سعی و جُہد پر، ہم مسئول ہیں اپنی سی کر گزرنے پر۔ اس راہ کے کسی ایک مرحلہ کی تکمیل بھی ہمارے بس میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق اور اُس کی حکمت پر منحصر ہے ——— مجھے یقین ہے کہ اس اجتماع کے شُرکا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جسے یہ اشتباہ لاحق ہو کہ ہمارے دین کے ہم سے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں؟ مزید براں مجھے توقع ہے کہ آج اس اجتماع میں وہی حضرات شریک ہوئے ہیں جنھوں نے ہماری دعوت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور ہماری تحریروں کا بغور مطالعہ کر لیا ہے۔ مَیں نے کل قرآن کانفرنس کے آخری اجلاس میں بھی عرض کر دیا تھا کہ جن حضرات نے ابھی ہماری تحریروں کا مطالعہ نہیں کیا تو وہ محض قرآن کانفرنس کی ایک تقریر سے متأثر ہو کر فیصلہ نہ فرمائیں، ایسے حضرات ابھی توقف فرمائیں، ذرا ٹھیریں غور و فکر کریں، سوچ بچار کریں اور وہ بہ نظرِ غائر ہماری تحریروں کا مطالعہ کر لیں۔ چند دنوں یا ہفتوں کی تاخیر و تعویق سے کوئی بڑا حرج واقع نہیں ہوگا۔ لیکن جو قافلہ آج اور کل کی نشستوں میں تفہیم و تفہیم کے بعد ترتیب پاکر آگے چلنے کا فیصلہ کرے، اس میں شامل ہونے والوں کو ہر حال ذہنی طور پر یک سو ہونا چاہیئے۔ اور دعوت اپنے تمام مضمرات، مقتضیات، مضمنات اور مقدمات کے ساتھ شامل ہونے والے ہر ایک شخص کے سامنے ہو اور وہ پورے انشراحِ صدر کے ساتھ اس کو قبول کر رہا ہو اور پورے فہم و ادراک اور شعور کے ساتھ اس قافلہ کا رفیق بننے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ اسے معلوم ہو

کہ اس دعوت کے تقاضے کیا ہیں ؟ اُسے کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہوگا ! کس سے کٹنا اور کس سے جُڑنا ہوگا ! پھر یہ کہ اُمّتِ مسلمہ میں اس دعوت کی نوعیت کیا ہوگی ؟ اور اس نئی تنظیم اسلامی کا اُمّتِ مسلمہ میں مقام کیا ہوگا ؟ احیاءِ دین کی جدّ و جہد میں اس نئی جماعت کا خصوصی منہج اور طریقِ کار کیا ہوگا۔ ؟ احیاءِ دین کے نام سے چلنے والی دوسری دینی تحریکوں سے یہ دعوت کس کس پہلو سے ممیّز ہے ؟ جب تک یہ تمام اُمور واضح نہ ہوں ، ہوسکتا ہے کہ اُس وقت تک ایک فوری جذبہ اور داعیہ کے تحت شامل ہوجانے والا شخص غیر مطمئن حالت سے دوچار رہے۔ ایسا انسان ایک قدم چل کر ٹھٹکے گا، سوالات پیدا کرے گا ، اُلجھنیں سامنے لائے گا۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا وقت اور قوّت و صلاحیت کے زیاں کا سبب بھی بنے۔ اس پہلو سے ابتداءً کچھ تاخیر ہرگز مضر نہیں لیکن اس وقت ضروری ہے کہ جو شخص بھی آئے ، پُورے طور پر سوچ سمجھ کر آئے ۔ پورے انشراحِ صدر کے ساتھ آئے ، یکسُو ہوکر آئے ـــــ اور پھر جب آئے تو تن ، من ، دھن کے ساتھ آئے اور دعوت و تنظیم کے تمام مطالبوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے عزمِ مصمّم کے ساتھ آئے۔

رفیقو ! مجھے پورا احساس ہے کہ یہ راہ جس پر گامزن ہونے کے لیے ایک جذبۂ صادق اور عزمِ صمیم کے ساتھ ہم ایک قافلہ کی شکل اختیار کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں ، بڑی کٹھن اور پُرصعوبت راہ ہے اور اس راہ پر چلنے کے لیے ؏ " چیتے کا جگر چاہیئے ، شاہیں کا تجسّس " بفحوائے آیۂ قرآنی اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ط " بے شک یہ بہت ہی ہمّت کے کاموں میں سے ہے " ! لیکن اُس کے ساتھ ہی وہ خوشخبری بھی پیشِ نظر رکھئے جس کی طرف میں اشارہ کرچکا کہ ہمارے ربّ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ : وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ـــــ " اور جو لوگ ہماری راہ میں لگیں گے ، کھپیں گے ، جدّ و جُہد کریں گے اُن کو ہم یقیناً اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے " ۔ مزید براں یہ کہ اس راہ میں کھپ جانے والوں ، اپنی جان کی توانائیاں لگانے والوں ، اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی کو صرف کرنے والوں کو اللہ اپنا " انصار " قرار دیتا ہے ۔ ایک بندۂ عاجز کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ اُس کا ربّ ، اُس کا آقا و مالک اور اُس کا خالق اُس کو اپنا " انصار " قرار دے : ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط

اس افتتاحی خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ " :۔ تنظیم اسلامی کے قیام کے لیے وہی قراردادِ تاسیس پیش کی جائے گی اور اس قرارداد کی " توضیحات " بھی وہی پیش ہوں گی جو آج سے تقریباً ساڑھے آٹھ سال قبل مرتب کی گئی تھیں کو اس موقع پر معاملہ قرارداد اور توضیحات کی منظوری

تک محدود رہا اور بعض اسباب کی بنا پر تنظیم کی باقاعدہ تشکیل کا کام آگے نہیں بڑھ سکا۔ مشیّتِ الٰہی میں ہر کام کے لیے ایک معین وقت ہوتا ہے لہٰذا اس کی توفیق ہی سے آج یہ موقع میسّر آیا ہے کہ ہم اُسی قرارداد اور ان ہی توضیحات کو اپناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر 'تنظیم اسلامی' کی باقاعدہ تشکیل کر رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس قرارداد اور توضیحات پر نظر ثانی کی جاتی تو اسے اور بہتر بنایا جا سکتا تھا، لیکن میری خواہش ہے کہ ہماری اس تنظیم کا تعلق ماضی کی اُس کوشش سے قائم اور باقی رہے، جس میں ہمارے چند قابلِ احترام بزرگ شامل تھے اور جن کے ساتھ میں بھی وابستہ تھا ——— اگرچہ اس وقت میں آگے چلنے والوں میں سے نہیں تھا، پیچھے چلنے والوں میں تھا لیکن مجھے اس پر پورا اطمینان ہے کہ یہ قرارداد اور اس کی توضیحات ایک دینی و اسلامی تنظیم کا صحیح و مکمل ہیولہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ قرارداد اور توضیحات آج اس اجتماع میں پیش ہوں گی۔ یہ دونوں چیزیں 'میثاق' کے اکتوبر، نومبر ۱۹۷۴ء کے مشترکہ شمارے میں شائع ہو چکی ہیں۔ نیز ان پر لاہور میں مختلف اجتماعات میں مفصّل بھی گفتگو ہو چکی ہے۔ کراچی میں بھی ایک اجتماع میں یہ پڑھی جا چکی ہیں اور ان پر تبادلۂ خیال ہو چکا ہے[1]۔ اس وقت اس قرارداد اور اس کی توضیحات پر کوئی ردّ و قدح نہیں ہو گی۔ جن حضرات کو اس کے مندرجات پر انشراحِ صدر ابھی حاصل نہ ہو، ان سے میں وہی بات دوبارہ عرض کروں گا کہ ایسے حضرات ابھی توقّف کریں، ہم سے تبادلۂ خیالات کریں اور اپنے ذہن کو صاف کریں۔ جو حضرات اس قرارداد اور اس کی توضیحات سے کامل اتفاق رکھتے ہوں وہ گویا اس لحاظ سے ممیّز و ممتاز ہو کر ایک قدم آگے آجائیں گے کہ قائم ہونے والی 'تنظیم اسلامی' کے بنیادی تصوّرات و نظریات کو انہوں نے قبول کر لیا ——— دوسرے مرحلہ میں وہی حضرات شریک ہوں گے جو اس پہلے مرحلہ سے کامل اتّفاق رکھتے ہوں گے۔ دوسرے مرحلہ پر ہم تنظیم کے دستورِ اساسی کے پہلے حصّہ پر غور کریں گے جو عقیدے کے مباحث پر مشتمل ہے، جس سے ہمارے دینی نظریات و تصوّرات اور ہمارے دینی فرائض ایک دوسرے رُخ اور پہلو سے سامنے آئیں گے۔ یہ کتابچہ مطبوعہ شکل میں ضمیمہ کے طور پر 'میثاق' کے مستقل خریداروں کو بھیجا جا چکا ہے۔ لاہور میں یہ ہمارے حلقۂ تعارف میں پھیلا بھی ہے اور یہاں بھی موجود ہے۔ اس پر بھی آج کی نشست میں بحث و تمحیص نہیں ہو گی، البتہ اگر کوئی مناسب لفظی ترمیم آئی یا کوئی نئی مفید تجویز پیش کی گئی تو اُس کو قبول کیا جا سکے گا۔ لیکن اس پر ردّ و قدح نہیں ہو گی۔ پھر جو لوگ اس عقیدے اور نظریات والے حصّہ سے بھی مطمئن ہوں گے تو وہ گویا اس لحاظ سے

---

[1] 'تنظیم اسلامی' کا دستور مع قرارداد و توضیحات کتابی شکل میں موجود ہے (ج-م)

مزید ممتاز ہو کر سامنے آئیں گے کہ وہ اس اسلامی تنظیم کے اساسی عقائد و نظریات کو قبول کرتے ہیں۔ اس کے بعد صرف تنظیمی ڈھانچہ کی ترتیب کا مرحلہ باقی رہ جائے گا۔ اِن شاءَ اللہ کل نمازِ جمعہ کے بعد جو اجتماع ہوگا۔ اس میں یہ تنظیمی ڈھانچہ بھی رفقاء کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔ البتہ کل کے اجتماع میں صرف وہ حضرات شریک ہو سکیں گے جو آج کے اجتماع کے دونوں مرحلوں کو طے کر کے یہ تسلیم کریں گے کہ اُن کو اِن مراحل کے بارے میں انشراحِ صدر حاصل ہو چکا ہے اور وہ اِن اساسی و بنیادی اُمور کے بارے میں کسی طرح کا اضطراب محسوس نہیں کرتے اور انہیں کوئی تردّد باقی نہیں رہا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ تمام حضرات جو آج اس اجتماع میں شریک ہیں اس طریق کار سے اتفاق کریں گے۔ یہ بات بالکل فطری ہے کہ جو حضرات تنظیم کے بنیادی اور اساسی تصوّرات ہی کے بارے میں یکسُو نہ ہوئے ہوں، اِسی باب میں ابھی اُن کے ذہنوں میں اشکالات باقی ہوں اُن کے لیے تنظیمی ڈھانچہ کا مرحلہ قطعی ثانوی درجہ رکھتا ہے اور جس نشست میں یہ ڈھانچہ زیرِ غور آئے گا، اُس میں ایسے حضرات کی شرکت کسی طرح مفید مطلب نہ ہوگی"

"رفیقو!

ہماری اس تنظیم کی سب سے اہم اور سب سے عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس "دعوتِ رُجوع اِلیٰ القرآن" پر قائم ہے۔ اِس کا پہلا مرحلہ وہ تھا کہ جب قرآنِ حکیم کے ذریعہ دعوت، تبلیغ، انذار، تبشیر، تذکیر، تزکیہ و تطہیرِ افکار و اعمال کا کام انجام دیا گیا۔ لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کی گئی کہ منبعِ ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآنِ حکیم ہی ہے۔ علم و حکمت کا خزینہ بھی اللہ کی آخری کتاب ہے، موعظۂ حسنہ بھی یہی اور ذکریٰ بھی یہی کتاب اللہ ہے۔ شفاءٌ للناس بھی یہی دلوں میں حقیقی یقین بھی اسی سے پیدا ہوگا۔ تربیت اسی سے ہوگی، تعلیم اِسی سے حاصل ہوگی۔ قلوب میں ایمان کی شمع اسی سے فروزاں ہوگی۔ عمل کا داعیہ اسی کی دعوت و تبلیغ سے بیدار ہوگا۔ دُنیوی فوز و فلاح اور اُخروی نجات کا ذریعہ بھی یہی کتاب اللہ ہے[1]۔

اس اساسی خصوصیّت سے ایک بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خصوصیّت ہماری دعوت کو دوسری تمام دینی تحریکوں اور دعوتوں سے ممتاز کرنے والی چیز ہے۔ اِنْ شاء اللہ العزیز ہماری تنظیم

---

[1] مبادا کوئی غلط فہمی راہ پائے یا کوئی فتنہ پھیلائی جائے لہٰذا اس موقع پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے نزدیک قرآنِ حکیم وحیٔ متلو ہے اور حدیث شریف وحیٔ غیر متلو۔ حدیث شریف، قرآن مجید سے کوئی جدا چیز نہیں ہے بلکہ وہ قرآنِ حکیم کی تشریح و تبیین ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ کتاب و سُنّت ایک وحدت ہیں۔

کا اوڑھنا بچھونا اللہ کی کتاب ہی رہے گی۔یہی قرآن حکیم ہمارا مرکز و محور ہوگا۔ہماری ساری جدّوجہد میں رہنمائی کا مقام اسی ہُدًی لِلنّاس کو حاصل رہے گا۔

لیکن یہ بات پیشِ نظر رہنی ضروری ہے کہ یہ اساسی طریقِ کار ہے۔دعوت و تبلیغ، اور تزکیہ و تربیت کے لحاظ سے تو قرآنِ حکیم ہی سب کچھ ہے۔لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔دعوت و تبلیغ اور تربیت کے ساتھ تنظیم کا مرحلہ آتا ہے۔تنظیم کے بعد جہاد کے مراحل شروع ہوتے ہیں ان مراحل میں مدافعت (PASSIVE RESISTANCE) بھی ہے اور اقدام (ACTIVE RESISTANCE) بھی ہے۔پھر ہجرت کا مرحلہ بھی آتا ہے۔قتال اس راہ کی بلندترین منزل ہے، جس میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے نقدِ جاں کی نذر گزارنی ہوتی ہے اور یہی معراجِ مومن ہے کہ ؎

جاں دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یا

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

یہ تمام مراحل وہ ہیں، جن کے لیے ایک منظم جماعت کی ضرورت ناگزیر ہے۔جیسا کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ : بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ط

کل قرآن کانفرنس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے جو امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول پورے قرآنِ حکیم کا عمود ہے کہ :۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ میں قدرے تفصیل سے وہ تمام باتیں عرض کر چکا ہوں کہ جن کے لیے ہم آج ایک نئی دینی تنظیم کی تشکیل کر رہے ہیں !!!

رفیقو! میں اس وقت بہت مضمحل ہوں، مسلسل تین دن قرآن کانفرنس کے چار چار اور تین تین گھنٹوں کی نشستوں نے مجھے کافی تھکا دیا ہے، پھر کل کی سیرت والی تقریر میں پہلی نشست تقریباً ساڑھے تین گھنٹے اور دوسری نشست میں تقریباً دو گھنٹے مجھے مسلسل بولنا پڑا ہے۔یہ میری زندگی کی طویل ترین تقریر تھی۔مجھے احساس ہے کہ پھر بھی اس تقریر کا حق کماحقہٗ ادا نہیں ہوا۔اس تقریر کو میں نے تین حصّوں میں منقسم کیا تھا، جس میں پہلے دو حصّوں پر تو سیر حاصل گفتگو ہو گئی لیکن تیسرا حصّہ وقت کی کمی کی وجہ سے تشنہ رہ گیا۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو حضرات سورۂ جمعہ کا درس

سُن چکے ہیں، وہ اِس کمی کو از خود اپنے اذہان میں پُورا کرلیں گے۔ چنانچہ ایک تو اس مسلسل تکان کی وجہ سے مجھ پر اضمحلال طاری ہے، دوسرے شاہ فیصلؒ کی شہادت کا بھی طبیعت پر گہرا اثر ہے پھر سب سے زیادہ یہ احساس اس اضمحلال میں اضافہ کا موجب بن رہا ہے کہ ایک بہت بڑی ذمّہ داری کا بوجھ میں نے اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھایا ہے "من آنم کہ من دانم"۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر محاسبۂ اُخروی کا شدید احساس نہ ہوتا تو مَیں یہ ذمّہ داری اُٹھانے کے لیے ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ ادائیگیٔ فرض کے احساس ہی نے دراصل مجھے یہ ذمّہ داری اُٹھانے پر آمادہ کیا ہے۔ مَیں اس بات کو متعدد بار واضح کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ میرے مطالعے، علم اور میری عقل و فہم کی حد تک یہ طریق بالکل مصنوعی اور تصنّع آمیز ہے کہ مَیں آپ سے یہ کہوں کہ مَیں نے ایک دعوت دی، اس کو قبول کرنے والوں کو جمع کر دیا۔ اب جو حضرات اس دعوت کو قبول کر کے اس کام کو منظّم طریقہ پر آگے بڑھانے کے آرزومند ہوں وہ ایک ہیئتِ اجتماعیہ تشکیل دیں اور اس اجتماعیّت کے لیے اپنا سربراہ منتخب کر لیں اور پھر دستور میں کوئی مدّت مثلاً تین سال یا پانچ سال مقرّر ہو جس کے بعد جماعت کی اکثریّت کی آراء سے سربراہ کا انتخاب عمل میں لایا جایا کرے۔ میرے نزدیک صحیح دینی و اسلامی تنظیم کی نہج اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایسی تنظیم جس شخص کی دعوت پر ہیئتِ اجتماعیہ اختیار کرتی ہے۔ وہی شخص اس تنظیم کا فطری سربراہ ہوتا ہے میرے اس خیال کی بنیاد سُورۂ صف کی آخری آیت کا یہ ٹکڑا ہے جس کی میں نے آج ابتدا میں تلاوت کی ہے کہ : مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط

مَیں نے اپنے اس فکر کو کبھی مخفی نہیں رکھا، ہمیشہ واضح طور پر بیان کیا ہے، علی الاعلان کہا ہے۔ میرے نزدیک ہماری دعوتِ اسلامی کی ہیئتِ اجتماعیہ میں یہ اُصول بھی دوسری دینی و اسلامی جماعتوں کے مقابلے میں ایک بنیادی فرق رکھتا ہے۔ چنانچہ اس اُصُول کے تحت جو بوجھ میرے کاندھوں پر آ رہا ہے، اس کے احساسِ ذمّہ داری نے بھی مجھے لرزاں و ترساں کر رکھا ہے یقین کیجئے کہ مجھے اس بوجھ کو اُٹھانے کا ہرگز شوق نہیں ہے۔ مَیں اگر اسے اٹھانے کے لیے تیار ہو رہا ہوں تو صرف اپنے احساسِ فرض کی بنیاد پر ــــــ اِس لیے کہ جن فرائض کا شعور قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب اور قرآنِ حکیم کے مختلف مقامات کے درُوس و خطابات کے ذریعہ مَیں نے آپ حضرات کے اذہان میں اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، وہ شعور سَو گُنا سے بھی زیادہ مجھے حاصل ہے اور فرض و ذمّہ داری کا احساس سامعین کے مقابلے میں سَو گُنا مجھ پر واضح ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ احساس و شعور

مجھ پر اس درجہ واضح نہ ہوتا تو میں آپ تک منتقل نہ کر پاتا۔ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں کتنی بھی کوشش کروں شاید اس گہرے احساسِ ذمّہ داری کو پھر بھی کما حقہٗ آپ پر واضح نہ کر پاؤں، جس سے میں دوچار ہوں۔ جس کی وجہ سے میں نوجوانی کے دَور سے اب تک ایک سیماب وش زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ اسلامی جمعیّت طلبہ میں یہی احساسِ فرض لے کر گیا۔ جماعتِ اسلامی میں اسی فرض کی ادائیگی کے لیے شمولیّت اختیار کی لیکن جب اُس نے اپنے انتقال و انحرافِ موقف سے دعوت و عزیمت کی راہ چھوڑ کر ایک نیم دینی و نیم سیاسی قومی جماعت کی ہیئت اختیار کر لی تو اسی احساسِ فرض کی وجہ سے میں نے اُس کو خیر باد کہا۔ پھر دیوانہ وار اس تلاش و جستجو میں رہا کہ دعوت اِلَی اللّٰہ کے لیے کوئی قافلہ ترتیب پائے تو میں اُس میں شامل ہو جاؤں۔ اسی مقصد کے لیے پے در پے سفر اختیار کیے۔ پالیسی سے اختلاف کے باعث جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابر سے مسلسل رابطہ قائم کیا۔ اور ان حضرات کو ایک نئی دینی جماعت کی تأسیس و تشکیل کے لیے آمادہ کرنے کی پیہم سعی و جہد کی۔ میری خواہش یہ تھی کہ یہ اکابر آگے بڑھیں اور دعوتِ اسلامی کے لیے ایک ہیئتِ اجتماعیہ تشکیل دیں تاکہ میں ایک ادنیٰ خادم اور کارکن کی حیثیّت سے اس میں کھپ سکوں اور اپنے ان فرائضِ دینی کی انجام دہی کر سکوں جو مجھ پر قرآنِ حکیم کے مطالعہ اور چند اہلِ قلم حضرات کے لٹریچر سے واضح ہو چکے تھے۔ اسی مقصد کے لیے میں نے کئی بار انتقالِ مکانی کیا۔ کبھی ساہیوال سے کراچی کبھی کراچی سے ساہیوال اور کبھی ساہیوال سے لاہور منتقل ہوتا رہا۔ اس عرصہ میں اپنی سوچ کے مطابق میں نے چند کاموں کی داغ بیل بھی ڈالی لیکن طبیعت کو اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رہی۔ میں نے ۱۹۶۶ء کے اواخر میں پھر از سرِ نو کوشش کی کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے وہ اکابر آگے بڑھیں جو انفرادی طور پر مختلف دینی کاموں میں مشغول تھے اور ایک نئی دینی جماعت کے قیام کے لیے اقدام فرمائیں۔

چنانچہ اسی کے پیشِ نظر میں نے اپنا وہ بیان "تحریکِ جماعتِ اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے شائع کیا جو میں نے بحیثیّت رکن جماعتِ اسلامی اکتوبر ۱۹۵۶ء میں جائزہ کمیٹی کو پیش کیا تھا اور 'میثاق' میں (جو میں مولانا اصلاحی سے اپنے کام کے لیے حاصل کر چکا تھا) "نقضِ غزل" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضمون شروع کیا، جس میں جائزہ کمیٹی کی رپورٹ (دسمبر ۱۹۵۶ء) سے لے کر اجتماعِ ارکان ماچھی گوٹھ (فروری ۱۹۵۷ء) تک پیش آمدہ حالات و واقعات اور ان کا تجزیہ پیش کیا گیا تھا ——— ان تمام مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند اکابر اور مجھ جیسے چند اصاغر

۱۹۶۷ء میں رحیم یار خاں میں جمع ہوئے جہاں 'تنظیم اسلامی' کے نام سے ایک ہیئتِ اجتماعی کے قیام و تشکیل کے لیے وہ قرار داد اور اس کی توضیحات منظور کی گئیں، جو ان شاء اللہ اسی اجتماع میں ہم پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت میں ابھی اس تنظیم کے قیام کا فیصلہ نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی ـــــ اس کوشش کی ناکامی کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب جو کچھ کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق کے بھروسے پر اور اپنی قوّت، استعداد اور صلاحیت کی بنا پر تن تنہا خود شروع کرنا ہے۔ مَیں بطور تحدیثِ نعمت عرض کرتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی سے علیٰحدہ ہونے کے بعد بحمد اللہ گذشتہ سترہ اٹھارہ سالوں کے دوران مجھ پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میری نگاہوں سے احیائے اسلام اور اقامتِ دین کا بلند و بالا نصبُ العین اوجھل ہوا ہو یا مجھے اپنے ان دینی فرائض کے بارے میں کوئی شک یا شبہ لاحق ہوا ہو ـــــ میں ایک دن بھی یہ سبق نہیں بھولا کہ اظہارِ دینِ حق کی سعی و جُہد ہر باشعور مسلمان کے لیے فرضِ اوّلین کا مقام رکھتی ہے۔ بڑی سے بڑی دینداری، بڑی سے بڑی تہجّد گزاری، زیادہ سے زیادہ نفلی عبادات اجر و نتیجہ کے لحاظ سے بے اصل اور بے وزن ہیں۔ جب تک اُن کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر، اظہارِ حق اور ابطالِ باطل، اظہارِ دین اور اقامتِ دین، احیائے اسلام اور شہادتِ حق علی النّاس کے فرائض کی ادائیگی کی جِدّ و جُہد نہ ہو۔ یہ اُمور فرائضِ دینی میں شامل ہیں، جن کے بغیر نجات کی اُمید کہ اُمیدِ موہوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جیسا کہ متعدد بار سورۃ والعصر اور قرآنِ حکیم کے چند دوسرے مقام کے مطالعے کے دوران ہم پر واضح ہو چکا ہے۔

نوافل کا درجہ فرائض کے بعد ہے، اور فرائض کا جو تصوّر ہمارے ہاں رائج ہو چکا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی بس فرائضِ دینی ہیں تو دراصل یہ اسلام کے فقہی اور قانونی فرائض ہیں اور بلاشبہ صحیح اور حقیقی فرائض ہیں۔ لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ یہ نظریات و تصوّرات فرائض ہمارے ائمہؒ و فقہاؒ نے اُس دَور میں مُدوّن کئے ہیں کہ جب اسلام ایک غالب اور عالمگیر قوّت کی حیثیت سے دنیا میں موجود تھا اور کُرّۂ ارضی کے ایک قابلِ ذکر حصّہ پر شریعتِ اسلامی اور نظامِ قرآنی بالفعل قائم و نافذ تھا۔ اِس غلبۂ دینِ حق کے دَور میں اقامتِ دین کی سعی و جُہد فرائض کی فہرست میں داخل نہیں تھی، اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے لیکن اُس وقت جب کہ حق غالب نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اور خاتم النبیّین والمرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی لائی ہوئی شریعت نافذ نہ ہو ـــــ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کا اٹل اُصول ہمارے تمام دُنیوی اُمور میں جاری و ساری نہ ہو۔ احکامِ

خداوندی خود مسلم معاشرے میں پائمال کئے جا رہے ہوں اور سُنّتِ رسولؐ کا استہزاء ہو رہا ہو تو اس وقت ان فرض عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ سب سے مقدّم اور سب سے اہم فرض حق کو غالب کرنے کی سعی و جہد کرنا ہے۔ اِس جدّ و جہُد اور سعی و کوشش اور کشمکش کے ساتھ نماز ہے تو صحیح نماز ہے، روزہ ہے تو صحیح روزہ ہے، حجّ ہے تو صحیح حجّ ہے، زکوٰۃ ہے تو صحیح زکوٰۃ ہے۔ یہ ہے وہ گہرا احساسِ فرض جس کی بنا پر مَیں نے آپ کو پُکارا ہے کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِؕ

میرے ایک دوست سے جو مجھ سے تعلّقِ خاطر رکھتے ہیں اور جو قرآن کانفرنس میں بھی شریک تھے، آج سے تقریباً پندرہ سال قبل ایک گفتگو ہوئی تھی جو مجھے اس وقت اچانک یاد آ گئی۔ مَیں نے اُن سے عرض کیا تھا کہ میرا تصورِ دین اور ہے اور آپ کا اور، اِس پر وہ کافی زِچ بھی ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی محنت و صلاحیّت اور قوّت کا اصل ہدف و محور اور مصرف یہ دنیا ہے۔ آپ نماز اور روزے کی پابندی کرتے ہیں اور اپنی کمائی میں سے زکوٰۃ نکال دیتے اور حج ادا کرنے ہی کو دین کے اصل فرائض کی ادائیگی سمجھتے ہیں اور اس پر مطمئن رہتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ایک مسلمان کے وقت، اُس کی صلاحیّت اور اس کی قوّت کا اصل ہدف اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کی جدّ و جہُد ہے۔ اس کام کی انجام دہی کے بعد چاہے وہ زکوٰۃ کا ایک پیسہ بھی ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو تو بھی میرے نزدیک وہ ہے صحیح دیندار ـــــ جب حق مغلوب ہو تو وہ شخص ہرگز حقیقی دیندار نہیں ہے جس کی توانائیاں دنیا کمانے میں صرف ہو رہی ہوں، چاہے وہ حلال و حرام کی قیود کی پوری پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر ہی کمائی کر رہا ہو اور اس کمائی سے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی ادا کر رہا ہو ـــــ میرے نزدیک ازرُوئے قرآنِ کریم جب حق غالب نہ ہو، ایک معاشرے میں اللہ کی شریعت نافذ نہ ہو، دنیوی تمام معاملات، احکام و ہدایاتِ خداوندی اور سُنّتِ رسولؐ اور قضائے رسول و خلفائے راشدین مَہدِیّین کے تابع نہ ہوں، بلکہ سراسر اس کے خلاف ہوں۔ تو ایک سچّے اور حقیقی مسلمان کا اوّلین فرض بلکہ اس کی غیرت و حمیّتِ دینی کا اوّلین تقاضا اظہارِ دین حق اور اعلائے کلمۃ الحق کی اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی جِدّ و جہُد ہے۔ اگر اوامر و احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی اور پائمالی پر اس کے خون اور اُس کی غیرت و حمیتِ دینی میں جوش نہیں آتا۔ اگر نواہی کی پیروی اور سنّتِ رسولؐ کے استہزاء کو دیکھ کر اس میں غم و غصّے کی حرارت پیدا نہیں ہوتی، اگر طاغوتی اور باطل نظام کے بدلنے کے لیے اُس میں کوئی داعیہ نہیں اُبھرتا۔ اگر معصیّت ماحول میں اُس کا دم نہیں گھُٹتا اور چین اور آرام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اس ماحول میں پاؤں پھیلا کر اور بے فکر ہو کر سوتا رہتا ہے۔ دنیا کی کمائی یا انفرادی

زہد و عبادت ہی کو کافی سمجھتا ہے تو ایسے شخص کو یہ حدیثِ قدسی پیشِ نظر رکھنی چاہیے جو ہر اس مسلمان کو جس کے دل میں ذرّے کے برابر بھی ایمان ہے لرزاں و ترساں کرنے والی ہے :-

قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: "اوحی اللّٰہ عزّوجلّ الیٰ جبرئیل علیہ السّلام اَن اقلب مدینۃ کذا وکذا باھلھا" قال فقال: "یاربّ انّ فیھا عبدک فلانًا لم یعصک طرفۃ عین" قال فقال: "اقلبھا علیہ وعلیھم فانّ وجھہ لم یتمعّر فِیّ ساعۃ قطّ (امام بیہقیؒ بحوالہ خطبات الاحکام تالیف مولانا اشرف علی تھانویؒ)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السّلام کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستیوں کو اُن کے رہنے والوں سمیت الٹا دو" حضورؐ نے فرمایا کہ اِس پر حضرت جبرئیلؑ عرض کیا کہ پروردگار! ان میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے چشم زدن کی مدّت بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی! آنحضورؐ نے فرمایا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اُلٹ ڈالو انہیں پہلے اس پر پھر دوسروں پر، اس لیے کہ اس کے چہرے کی رنگت کبھی میری (غیرت اور حمیّت کی) وجہ سے متغیّر نہیں ہوئی!"

تواصی بالحق اور اقامت و اظہارِ دینِ حق کی جِدّوجہد، سعی و کوشش اور کشمکش کے ساتھ دوسرے فرائضِ دینی کی ادائیگی بلاشبہ موجبِ اجر و ثواب ہے جو بلاشبہ ارکانِ اسلام ہیں —— اس بات کو مزید سمجھنے کے لیے سورۂ حجرات کی وہ آیت اپنے ذہن میں تازہ کر لیجیے، جس سے میں نے آج کی اس گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ (آیت ۱۵)

بلاشبہ مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر پھر کسی شک و ریب میں نہیں پڑے اور جنھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

"رفیقو!

اس وقت ہمارے مسلم معاشرہ میں اسلام کے نام سے بیسیوں دین چل رہے ہیں۔ یہاں عید میلاد النّبی کے جلسوں، جلوسوں، مولود شریف اور محفلِ میلاد کے نام سے مجلسوں کا بھی ایک دین موجود ہے۔ یہ بھی ایک مکمّل دین ہے، اِس کے اپنے عقائد و نظریات اور ایمانیات ہیں۔ اِس عوامی دین

میں ارکانِ دین کی پابندی ہی شاذ ہے، جہاد فی سبیل اللہ کا تو ذکر ہی کیا! یہاں عرسوں اور سماع کی محفلوں اور قبور پرستی کا بھی ایک دین ہے جس کے معتقدات اور ہیں۔ یہاں تعزیوں، مرثیوں، نوحہ گری، سینہ کوبی کا بھی دین موجود ہے۔ اس دین کے افکار و عقاید اور ہیں۔ یہاں امامِ معصوم کے قائلین کا دین اور ہے، جس کے ماننے والوں کے ایک فریق امامِ غائب کے قائل اور ظہور کے منتظر ہیں اور ایک گروہ کا امام حاضر و موجود ہے۔ ان کے نزدیک سود لینا اور دینا، اسمگلنگ میں ملوّث ہونا غلط حسابات رکھنا، حلال و حرام کی تمام قیود کو نظر انداز کر دینا ان کی دینداری میں قطعی کوئی خلل نہیں ڈالتا بشرطیکہ وہ بعض دینی ظواہر کی پابندی بھی کرتے رہیں اور دینی مدرسوں کو چندہ بھی ادا کرتے رہیں۔ یہاں سیاسی جماعتوں کا دین اور ہے، اُن کے اپنے نظریات و تصوّرات ہیں۔ اُن کے نزدیک صدارتی نظام کے بجائے پارلیمانی نظام کی بحالی کی جدّ و جہد کرنا، بالغ رائے دہی کے اُصول کو منوانے کی سعی کرنا یا جمہوریّت کے قیام کی کوشش کرنا عین خدمتِ اسلام ہے اور ان کے نزدیک مغرب کی لادین جمہوریّت کے اُصولوں اور طرز پر حزبِ اقتدار کے مقابلہ میں احزابِ اختلاف کو منظّم کر لینا اور اربابِ اختیار کو اپنی تیز و تند تنقیدات کا ہدف بنا لینا ہی اعلائے کلمۃ اللہ اور اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کے مصداق ہے۔ ملک کے رائے دہندگان کو اپنی پارٹی یا احزابِ اختلاف کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرنا۔ بحالیٔ جمہوریّت، شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کے مطالبات پیش کرنا، مہنگائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہنا ہی اُن کے نزدیک اقامتِ دین کی سعی و جہد ہے۔ مبتدعانہ اور مشرکانہ رسوم و افعال سے صرفِ نظر کرنا، اُن سے مداہنت برتنا بلکہ عوام الناس کی خوشنودی کے لیے ان کو سندِ جواز بخشنا اور ان کو اختیار کر لینا حکمتِ عملی ہے۔ یہاں صاحبِ اختیار و اقتدار اور حکّامِ ریاست کا دین اور ہے۔ حکومت کی سطح پر چند تہوار منا لینا، قبروں پر چادریں چڑھانا، مقابر و مزارات کی نگرانی کر لینا اور اُن پر طلائی و نقرئی دروازے یا جالیاں نصب کرا دینا خاص خاص مواقع پر اسلام کی قصیدہ خوانی میں بیانات جاری کر دینا اور اپنے جلسوں جلوسوں میں اسلام زندہ باد کے نعرے لگوا دینا ان کے نزدیک بس اصل دین ہے۔

یہاں ملازم پیشہ، مزدوروں اور کاشتکاروں کا دین اور ہے، دانشوروں کا جو مزدکی فلسفہ سے متأثر ہیں اور جن کے اذہان و افکار پر اشتراکیّت کا تسلّط ہے، دین اور ہے۔ یہاں جو لوگ یونانی اور ویدک فلسفوں سے مرعوب ہیں، اُن کا تصوّف کے نام سے دین اور ہے۔ ہمارے اسی معاشرے میں مُرجیہ بھی موجود ہیں جو اس مخصوص نام سے تو متعارف نہیں، لیکن ہمارے سوادِ اعظم کا حال یہ ہے کہ

اُن کے نزدیک ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانا ــــ حالانکہ اس پیدائش میں ان کے اپنے ارادہ و اختیار کا کوئی دخل نہیں ــــ اور محض زبان سے ایمان کا اقرار کر لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ یہاں فتنۂ اعتزال بھی ایک نئی شکل میں موجود ہے۔ اس فکر و خیال کی ایک منظم و فعال تحریک اس ملک میں سرگرم عمل ہے، جن کے نزدیک احادیث، سُننِ رسولؐ، تعاملِ صحابہؓ اور نظائرِ خلفاءِ راشدینؓ و مہدیّینؓ ہی سرے سے ناقابلِ اعتبار ہیں اور ماخذِ قانون و احکام ہیں ہی نہیں۔ ان حضرات نے قرآن کی بنیادی اصطلاحات کو عجیب و غریب معانی و مفاہیم دے کر پورے قرآن حکیم کو بازیچۂ اطفال بنانے کی جسارت کی ہے ــــ غرضیکہ بے شمار دین ہمارے معاشرے میں موجود، قائم، نافذ اور جاری و ساری ہیں۔ ان کی اشاعت اور ترقی کے لیے لوگ تن من دھن سے لگے ہوئے بھی ہیں لیکن وہ دین جو جناب محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم لے کر تشریف لائے تھے، جس پر اوّلاً اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عمل کیا تھا اور جو جزیرہ نمائے عرب میں بہ کمال و تمام نافذ و قائم ہوا تھا، جہاں سے وہ چہار دانگ عالم میں پھیلا تھا۔ وہ دین آج کتابوں میں تو موجود و محفوظ ہے۔ لیکن عملاً کہیں قائم و نافذ نہیں ہے ــــ آج ہمیں از سرِ نو ایک عزمِ مصمّم کے ساتھ "مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ" والا دین اختیار کرنا ہوگا اور اُس کے غلبہ کی سعی و جہد کرنی ہوگی۔ یہ حدیث "مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ" بھی بہت غلط استعمال ہوئی ہے۔ یہ صرف رفعِ یدین اور تراویح کی رکعتوں کی تعداد اور اسی قسم کے مسائل کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ جس دین پر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضورؐ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عمل کیا تھا اور جس کو بالفعل نافذ اور قائم کیا تھا۔ وہ محض فقہی دین نہیں تھا بلکہ وہ تو زندگی کے ہر گوشہ پر محیط تھا۔ سارے معاملات چاہے وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہوں چاہے اجتماعی زندگی سے ــــ وہ گھر کی زندگی سے لے کر ریاست کے معاملات تک کو اپنے قبضۂ اختیار میں لیے ہوئے تھا۔ اس کی گرفت سے نہ حکومت آزاد تھی نہ رعایا، نہ معیشت آزاد تھی نہ معاشرت، نہ سیاست آزاد تھی نہ عمرانیات، نہ عدالت آزاد تھی نہ تجارت، نہ میدانِ جنگ آزاد تھا نہ صلح کانفرنس، نہ فوج آزاد تھی نہ پولیس، نہ زراعت آزاد تھی نہ صنعت و حرفت ــــ ساری اطاعتیں اور ساری وفاداریاں اور سارے مفادات اللہ کے دین کے تابع تھے، جیسا کہ مَیں نے کل سیرت والی تقریر میں: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط کی شرح کے ضمن میں اشارات کئے تھے۔

رفیقو! آج کے اس اجتماع میں کوئی تقریر کرنا میرے پیشِ نظر نہیں تھا۔ اسی لیے میں

میں کوئی مربوط خاکہ مرتب بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن جب بات نکلی تو نکلتی چلی گئی۔ مَیں نے چاہا تھا کہ جس شدید احساسِ ذمّہ داری نے مجھے یہ بوجھ اٹھانے پر آمادہ کیا ہے، اُس کو آپ کے سامنے بیان کر دوں ——— میرے اندر کبھی کسی وقت نمایاں ہونے کا جذبہ رہا ہو تو مَیں اُس سے انکار نہیں کرتا، میں بھی انسان ہوں، گوشت و پوست سے بنا ہُوا انسان ہوں۔ مَیں بچپن اور نوجوانی کے دَور سے گزرا ہوں، مَیں نے چھوٹی سطح پر لیڈری بھی کی ہے۔ میں اسلامی جمعیّت طلبہ میں یہ شوق پورا کر چکا، اُسی دَور میں مجھے بحمد اللہ یہ شعور حاصل ہوا کہ یہ سستی قسم کی شہرت اور لیڈری، جس کے لیے قلم سے کچھ لکھنا اور زبان سے کچھ بولنا ہی کفایت کرتا ہے اور اسی کے بل بوتے پر انسان اپنی لیڈری کی دکان سجا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس سے زیادہ مہلک شے اور کوئی نہیں ہے۔ اسی دَور میں، مَیں نے اپنے بعض دوستوں کی سیرت و کردار کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ جن میں سے بعض دوست اس وقت دنیوی اعتبار سے بہت اونچے مقامات پر ہیں ——— تو مَیں نے لیڈری اور شہرت پسندی کے مہلک مرض کو اس کی ابتدائی حالت ہی میں دیکھ لیا تھا اور میں نے اپنے لیے متعیّن طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ مَیں اس راستہ پر ہرگز نہیں چلوں گا۔ حالانکہ مجھ میں اس کی صلاحیّت تھی۔ تقریر کرنی اور مضمون نویسی مجھے اس وقت بھی آتی تھی اور مجھے لوگوں کو وقتی طور پر متاثّر کرنے کا فن بھی آتا تھا۔ مجھ میں یہ استعداد قدرت کی ودیعت کردہ موجود تھی لیکن مَیں نے شعوری طور پر فیصلہ کیا کہ اس راستہ پر نہیں چلنا ——— چنانچہ مَیں اپنی زندگی کا ایک عجیب واقعہ بھی آپ کو سناتا ہوں۔ مَیں جب اپنی تعلیمی مصروفیتوں سے فارغ ہوا اور جس روز ایم۔بی۔بی۔ایس کا نتیجہ نکلا تو اُسی روز مَیں نے اسلامی جمعیّت طلبہ سے استعفیٰ دے دیا ——— جس کے بعد میں اس وقت کے امیر جماعتِ اسلامی پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اکتوبر ۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے۔ مَیں نے اُن سے عرض کیا کہ مَیں تعلیم سے فارغ ہو گیا ہوں، اب اپنے مستقبل کے بارے میں آپ سے مشورے کا طالب ہوں۔ اُس وقت امیرِ جماعتِ اسلامی پاکستان نے جو کچھ فرمایا، وہ مجھے آج بھی پُوری طرح یاد ہے اور مَیں خدا کو حاضر و ناظر جان کر عرض کرتا ہوں کہ میں آج بھی وہ الفاظ مِن و عَن دوہرا سکتا ہوں چونکہ وہ الفاظ میری زندگی کے اہم سنگِ میل (LAND MARKS) میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ "میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اپنی ساری اُمنگیں سیاسی میدان میں پُوری کرو ——— مَیں تمہیں جماعت کے شفاخانوں کا نگران بنا دیتا ہوں، کچھ وقت صرف کر دیا کرنا اور نگرانی کر لیا کرنا۔ وہاں سے تمہاری معاش کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور تم اپنی ساری اُمنگیں سیاسی میدان میں پوری کرو گے" مَیں نے اُسی وقت یہ فیصلہ کیا کہ یہ مشورہ

میرے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس وقت امیرِ جماعت کسی خاص رنگ، خاص کیفیت اور خاص سوچ میں تھے۔ بہرحال انہوں نے مجھے یہ مشورہ دیا اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں لاہور ہی میں نہیں رہوں گا۔ چنانچہ جلد از جلد میں لاہور سے منتقل ہو کر ساہیوال میں آباد ہو گیا اور وہاں درسِ قرآن کے مختلف حلقے قائم کئے۔ مجھے قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے جو سبق حاصل ہوا تھا اس کو لوگوں تک پہنچانے میں، میں نے اُس وقت بھی کوتاہی نہیں کی۔ جو پیغام میرے پاس تھا اُسے اُس وقت سے پہنچا رہا ہوں ــــــ میں نے اِس واقعہ کا اس وقت ذکر اس لیے کیا ہے کہ اگر مجھے انجمن آرائی اور لیڈری کا شوق ہوتا تو مجھے اس کے بہترین مواقع میسّر تھے۔ ۱۹۵۴ء سے کر اب تک بیس اکیس سال کا بڑا طویل دَور ہے، مجھے شوقِ خود نمائی اور ذوقِ قیادت ہوتا اور دنیا طلبی و شہرت پسندی اور طالع آزمائی مقصودِ نظر ہوتی تو میں بھی کہیں نہ کہیں اپنی قیمت چکا چکا ہوتا اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھو چکا ہوتا۔ لیکن میں ہر اُس راستہ اور ہر اُس موڑ (TURN) سے شعوری طور پر بچ کر نکلنے کی کوشش کرتا رہا جو دنیا طلبی اور جاہ طلبی کا راستہ تھا، وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ط دوسرا مرحلہ وہ تھا جب پاکستان میں ایک نیا سیاسی طوفان اٹھنے والا تھا۔ ... صاحب کے خلاف احتجاج شروع ہونے والا تھا۔ میں مستقل طور پر لاہور منتقل ہو چکا تھا اور کرشن نگر (اسلام پورہ) میں مطب کر رہا تھا تو اُس وقت ڈاکٹر مبشّر حسن صاحب اپنے چند رفقاء کے ساتھ کئی بار میرے مطب میں آئے۔ انہیں کہیں سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ زمانۂ طالب علمی میں کچھ تیز قسم کا رہا ہے۔ انہیں چند ایسے نوجوانوں کی ضرورت تھی جو خاص طور پر اسٹوڈینٹس میں جا کر، ان میں حرکت پیدا کر سکیں۔ انہوں نے ایک بڑا خوبصورت ٹریکٹ "عوام کا فیصلہ" شائع کیا تھا، جس میں ایک نئی تحریک کا ہیولہ موجود تھا۔ وہ اس ٹریکٹ کو لے کر حنیف رامے صاحب، عبداللہ ملک صاحب اور ایک چوتھے صاحب ــــــ جن کا نام مجھے اِس وقت یاد نہیں جو اُس وقت یونیورسٹی کے شعبہ صحافت میں لیکچرر تھے ــــــ کے ساتھ متعدد بار میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت و ترغیب دی۔ میں اُس وقت "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" والا مضمون لکھ چکا تھا۔ میں نے اِن حضرات کی خدمت میں وہ پیش کر دیا کہ میرے پیشِ نظر تو یہ کام ہے۔ مجھے اس کے سوا کسی اور کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ متعدد نشستیں ہوئیں، میں خود بھی ڈاکٹر مبشّر حسن کی کوٹھی پر گیا۔ لیکن بہرحال کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ آدمی ان کے مطلب کا نہیں ہے! تو ایک دَور یہ بھی آیا ــــــ مجھے اگر سیاست کا کوئی کھیل کھیلنے کا شوق ہوتا تو یہ اُس

ترین موقع تھا۔ ہرگز یہ نہ سمجھئے کہ مجھے سیاسی کروٹوں کا علم نہیں رہا ہے اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ ب سیاسی صورتِ حال کس رُخ پر جا رہی ہے۔ مَیں نے ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء میں 'میثاق' کے صفحات جو سیاسی تجزیے لکھے تھے، اُن کا آپ اب مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مجھے اُس وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ حالات میں کیا تبدیلی آنے والی ہے، کون سا سورج ڈوب رہا ہے اور کون سا یا سورج طلوع ہو رہا ہے۔ اگر لیڈری اور دنیا طلبی میرا مقصود ہوتا تو اس وقت میں کوئی نہ کوئی معاملہ کرسکتا تھا لیکن الحمدُللہ ثمّ الحمدُللہ! جو سبق مَیں نے قرآنِ حکیم اور جماعتِ اسلامی کے لٹریچر سے سیکھا تھا، اُس سبق کے سوا اور اُس مقصد کے سوا، اور اُس ذمّہ داری کے سوا کبھی کوئی دوسری چیز اور کوئی ترغیب و تحریص مجھے اپنی طرف مائل نہ کرسکی ——— انسان اپنے تحت الشعور کی گہرائیوں کو ناپ نہیں سکتا، مَیں اس بات کا مدّعی نہیں کہ میں ان گہرائیوں کو ماپ سکتا ہوں۔ میرے تحت الشّعور میں کہیں اور غرض (MOTIVE) بھی موجود ہو تو مَیں کہہ نہیں سکتا۔ لیکن میں اپنے شعور کو جہاں تک ٹٹول سکتا ہوں، اُس کا جائزہ لے سکتا ہوں، اُس کا تجزیہ کرسکتا ہوں۔ اس کے پیشِ نظر میں پُورے انشراحِ صدر کے ساتھ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اور اُسے گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کوئی شوقِ انجمن آرائی، کوئی ذوقِ جماعت سازی اور کوئی جذبہ اور حبّ تفوّق کا، جاہ طلبی کا لیڈری کا اور سیاست بازی کا بحمداللہ پیشِ نظر نہیں ہے۔ اگر اس کام کی فرضیّت کا احساس اس درجہ شدید نہ ہوتا اور کوئی دوسری جماعت جو اجتماعی طور پر اس فریضۂ دینی کی انجام دہی کی جدّ و جُہد کرنے کے لیے موجود ہوتی تو مَیں کبھی بھی اس بوجھ کو اٹھانے کی جرأت نہ کرتا ——— آج میرے اعصاب میں ارتعاش ہے، میرے قویٰ مضمحل ہیں۔ اس بوجھ کی ذمّہ داری کا شدید احساس مجھ پر طاری ہے لیکن بایں ہمہ مَیں نے اس کو اٹھانے کا فیصلہ صرف اس لیے کیا ہے کہ اس کے سوا مجھے کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

جُز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ ناچار گنہ گار سوئے دار چلے ہیں!

یہ بوجھ کسی شوق میں نہیں اٹھایا جا رہا بلکہ احساسِ فرض اور شعورِ ذمّہ داری و مسئولیّت کے تحت اٹھایا جا رہا ہے ——— جیسا کہ مَیں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ اس تنظیم کی تشکیل بالکل فطری انداز میں ہو رہی ہے۔ میں یہ تصنّع اور تکلّف کرنا نہیں چاہتا اور اس کو علیٰ وجہ البصیرت غلط سمجھتا ہوں کہ میں یہ کہوں کہ میرا کام آپ کو جمع کر دینا تھا۔ اب آپ اپنے میں سے کسی اہل ترین شخص کو اپنا امیر منتخب کر لیجئے ——— یہ پکار مَیں نے لگائی ہے، یہ دعوت مَیں نے دی ہے۔ میری صدا پر آپ نے لبیک کہا ہے لہٰذا ذمّہ داری کا بوجھ بھی مجھے ہی اٹھانا ہے۔ میں ہی اس کو آگے لے کر چلوں گا۔ میں

مَیں آپ سے اس کام میں تعاون کا، نصرت کا اور امداد و اعانت کا طلب گار رہوں اور ساتھ ہی باصرار آپ سے عرض کرتا ہوں کہ جو میرا ساتھ دے وہ اس بات کو بھی اپنی دینی ذمہ داری سمجھے کہ جہاں مجھے غلط ہوتا دیکھے، مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے، مجھے روکے، مجھے ٹوکے، مجھ سے لڑے، مجھ سے جھگڑے، میرا محاسبہ کرے اور کوئی رو رعایت نہ کرے۔ یہ آپ کا حق ہی نہیں بلکہ آپ کا فرض ہوگا۔

رفیقو! میرے سامنے آج کی تقریر کا کوئی خاکہ پہلے سے موجود نہیں تھا، نہ میرے سامنے تقریر کے نکات و اشارات تھے۔ اس وقت جو باتیں ذہن میں آئیں وہ میں نے عرض کر دیں۔ یہ باتیں ذہن میں از خود نہیں آئیں۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ کوئی کام از خود ہوتا ہے۔ مَیں اس بات کا قائل ہوں کہ جملہ معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ ہی چاہتا ہے تو کوئی کام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس وقت اگر مجھ سے کچھ کہلوانا تھا تو اس کی طرف اُسی نے میرے ذہن کو منتقل کیا اور مَیں نے وہ کہہ دیا ـــــ یہ انتہائی ضروری گذارشات تھیں جن کے اظہار کے بغیر ہو سکتا ہے کہ چند رفقاء جو اس وقت تو ساتھ آجائیں، لیکن آگے جا کر پھر ٹھٹکیں۔ خود بھی پریشان ہوں اور دوسروں کو بھی پریشان کریں۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس وقت جو ساتھ چلنے کا فیصلہ کرے وہ یک سُو اور یک رنگ ہو کر کرے۔ پورے انشراحِ صدر کے ساتھ قافلہ میں شامل ہو۔ ہماری تنظیم کے خدوخال اور خصوصیات اس کے سامنے روزِ روشن کی طرح بالکل مبرہن ہوں۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ ٥

(بقیہ شہید مظلوم از صـ ۱۷)

سعیدؓ بن زید، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی الوقاص اُن اصحابِ عشرہ مبشرہ سے بھی قبل حضرت عثمانؓ دولتِ ایمان سے مشرف ہو چکے تھے ـــــ یہ ہیں صدیقیت کے وہ اوصافِ ثلاثہ جو حضرت عثمانؓ کی سیرتِ مبارکہ میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

ـــــ (جاری ہے)

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم!

اقبالؔ

آخری قسط

قرآنی تربیت گاہ

(منعقدہ راولپنڈی از ۸ راگست تا ۱۵ راگست ۱۹۷۶ء)
ایک رپورتاژ
قاضی عبد القادر (کراچی)

۱۴ راگست بروز ہفتہ : مقامی حضرات میں سے جن اصحاب نے فارم دیئے تھے ان میں سے صبح نو بجے ۱۵ ر حضرات تشریف لائے۔ ان میں بزرگ بھی تھے، اُدھیڑ عمر، جوان اور نوجوان بھی تھے، جدید اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی تھے اور علمِ دین کی دولت سے بہرہ مند بھی۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد پہلے تو شرکاء کا مختصر سا تعارف ہوا بعدہٗ ڈاکٹر صاحب نے نہایت اختصار کے ساتھ اس کام کی اہمیّت کی طرف توجّہ مبذول کرائی، جس کی اللہ کی توفیق سے ان کو سعادت نصیب ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ دروسِ قرآن اور تقاریر سے آپ کے سامنے وہ دعوت آ چکی ہے از روئے قرآن جس کا ہر مسلمان مخاطب اور مکلّف ہے۔ یہ میرا ذاتی فکر نہیں ہے بلکہ قرآنِ حکیم کا فلسفہ و حکمت ہے جو مَیں نے بیان کیا۔ مقامی حضرات نے بیک زبان متفقہ طور پر اس عزم کا اظہار فرمایا کہ وہ راولپنڈی میں اس دعوت کے لیے دامے، درمے، سخنے اور قدمے تعاون کے لیے تیار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے شیخ جمیل الرّحمٰن صاحب نے ان کوائف کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جن کے نتیجہ میں لاہور کے بعد کراچی اور سکھر میں انجمن خدّام القرآن کی شاخوں کا قیام اور درسِ قرآنِ حکیم کا نظام عمل میں آیا تھا۔ مقامی حضرات نے اسی نہج پر راولپنڈی میں انجمن کی شاخ کے قیام کی تجویز سے کامل اتفاق فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس مجلس میں ۱۵ حضرات شریک ہوئے ہیں جبکہ ۳۰ فارم موصول ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کسی مجبوری کی وجہ سے اس وقت تشریف نہ لا سکے ہوں۔ نیز اس کا بھی امکان ہے کہ مزید فارم آج شام کے درس میں موصول ہوں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ کل اتوار کو عصر کے بعد آپ تمام حضرات جمع ہو کر مستقبل کے لیے ایک مستقل لائحہ عمل طے فرمالیں۔ اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے عارضی طور پر جناب (ریٹائرڈ کرنل) ڈاکٹر عبد الغفور شیخ صاحب کو کنوینر اور اتوار کے لیے موصوف ہی کے مکان کو مقامِ اجتماع فرمایا، جس سے تمام شرکاء نے اتفاق کیا۔ بعدہٗ دعا کے بعد یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

رُفقاءِ وشرکاءِ تربیت گاہ کا خصوصی اجتماع

اس مجلس کے اختتام کے بعد تربیت گاہ میں شریک تمام رفقاء کا خصوصی اجتماع ہوا۔ جس میں تربیت گاہ کے انتظامات کے بارے میں شرکاء کو تجاویز، مشورے اور تنقید کی دعوت دی گئی۔ نیز آئندہ دعوتی کام کے لیے ڈاکٹر صاحب نے رفقاء کو ہدایات دیں۔ اس موقع پر لاہور اور کراچی کے دو اصحاب نے 'تنظیم اسلامی' میں شمولیت کی درخواست کی جو منظور کی گئی اور طے ہوا کہ رفقاء کے خصوصی اجتماع لاہور اور کراچی میں ان دونوں حضرات سے تنظیم کا عہدِ رفاقت لے لیا جائے۔ ازاں بعد ڈاکٹر صاحب نے آٹھ رفقاء کی (جنھوں نے اتوار کی دوپہر تک رکنے کی رضاکارانہ پیش کش کی تھی) ڈیوٹی لگائی کہ وہ کل صبح ۹ بجے سورۂ حدید کے درس میں شریک ہوں گے۔ درس کی ذمّہ داری مختار حسین صاحب فاروقی کے سپرد کی گئی اور درس کے بعد ہال سے میز اتارنے اور دیگر سامان پیک کرنے کی ذمّہ داری آٹھ رفقاء کو تفویض کی گئی اور اس گروپ کے امیر حاجی محمد یوسف صاحب کو مقرر کیا گیا۔ اتوار کی شام کو جناب کرنل ڈاکٹر شیخ عبدالغفور صاحب کے مکان پر منعقد ہونے والے اجتماع میں شرکت کی ذمّہ داری مختار حسین صاحب فاروقی، شیخ جمیل الرّحمٰن اور جناب صلاح الدّین احمد کو تفویض کی گئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ رات کو قیامُ اللّیل ۱۲ بجے شروع ہوگا تاکہ پورا قرآن مجید ختم ہو جائے۔ اس کے بعد بذریعہ بس (جو قیام گاہ پر رات ایک بجے تک آجائے گی) لاہور روانگی ہوگی اور وہ خود بھی رفقاء کے ساتھ سفر کریں گے۔ رفقاء عشاء کی نماز کے بعد اپنا اور تربیت گاہ کا سامان سمیٹ کر پیک کر لیں تاکہ قیام اللّیل سے فارغ ہوتے ہی روانگی عمل میں آسکے اور بلاوجہ تاخیر نہ ہو۔

عصر کے بعد نشست

مشہور مقولہ ہے کہ "ہمّتِ مرداں مددِ خدا" یہ مقولہ متشکل سامنے تھا۔ ڈاکٹر صاحب مسلسل و پیہم مصروفیات کی وجہ سے مضمحل تھے۔ گلا بیٹھ چکا تھا، مسلسل حرارت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شاملِ حال تھی۔ چنانچہ موصوف نے عصر کی نماز کے بعد سورۂ عنکبوت کے پہلے رکوع کا درس دیا، اور خوب دیا۔ طبیعت میں انشراح تھا، ہر لفظ تاثیر سے معمور تھا، بیان میں سُبکِ آبِ جُو کی سی روانی تھی کہیں کہیں خطیبانہ جوش و خروش بھی تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "جہاد فی سبیل اللہ پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا بستر ہے ؏: جس کو ہو جان و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں؟ —— یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّتِ ثابتہ ہے کہ دعوئ ایمان کرنے والوں کو وہ مصائب و شدائد اور ہیجانہ

ظلم و تشدّد کی بھٹیوں میں گزار کر آزماتا ہے۔ ابتلاء اور آزمائش اس راہِ حق کے لازمی نشانات منزل ہیں۔ دینِ حق کسی معجزانہ طریق پر قائم کرنا اللہ تعالیٰ کی سُنّت نہیں۔ اِس کے لیے رسولوںؑ کو اور اُن پر ایمان لانے والے مومنینِ صادقین کو محنتیں کرنی ہوتی ہیں، مال اور جان کھپانی ہوتی ہے مصائب و شدائد جھیلنے ہوتے ہیں۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے۔ اجرائے وحی سے لے کر رفیقِ اعلیٰ سے وصل تک حضورؐ کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑا۔ اُس ہستیٔ مبارکؐ کو کن کن تکالیف، تشدّد، ذہنی و جسمانی مصائب سے سابقہ پیش آیا جو سیّد المرسلینؐ، خاتم النبیینؐ اور محبوبِ ربّ العالمینؐ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جنؐ سے زیادہ کوئی عزیز اور پیارا بندہ نہیں، جن کو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ معزز لقب "عَبْدِی" سے مخاطب فرماتے ہیں، جن کو نام لے کر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں مخاطب نہیں فرمایا، جو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کئے گئے۔ جو پچھلوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور اگلوں کے لیے بھی رحمت! جو ماننے والوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے بھی رحمت! یہ دوسری بات ہے کہ انکار کرنے والوں کو اس کا شعور نہیں۔ آج دنیا میں جو بھی خیر ہے، نیکی ہے، بھلائی ہے، فلاح و صلاح ہے، خدمتِ خلق کا جذبہ ہے، ایجادات اور قدرت کے مخفی خزانوں کے انکشافات ہیں، وہ سب کے سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہیں۔ یہی وسیع تر مفہوم ہے اس آیتِ کریمہ کا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ صلی اللہ علیہ وسلم!"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "مکّہ کا معاشرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انؐ کی بے داغ اور اعلیٰ و ارفع ترین سیرت و کردار کی وجہ سے "الصّادق" اور "الامین" کے معزز خطابات دے چکا تھا۔ لیکن دیکھ لیجئے کہ جب حضورؐ نے عبادتِ رب کی دعوت دی، جب توحید کا پرچم بلند فرمایا۔ جب لوگوں کو محاسبۂ اُخروی سے ڈرایا۔ جب اپنی نبوت و رسالت کی خبر دی۔ جب قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ کے حکم کے مطابق اللہ ربّ العزّت کی کبریائی کا اعلان اور اُس کو بالفعل قائم کرنے کے عزم کا اقدام فرمایا تو اس معاشرہ نے محبوبِ سبحانی، عبدِ رحمانی، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کون سی ذہنی، روحانی، اور جسمانی اذیت و تکلیف تھی جو اس عبداللہ کو نہ پہنچائی گئی ہو۔ طنز و استہزاء کے جتنے تیر انسانی ذہن کے ترکش میں ہو سکتے ہیں، وہ سب کے سب اُس ذاتِ مقدّس پر برسائے گئے۔ مخبول کہا گیا، مجنون کہا گیا راہ میں کانٹے بچھائے گئے، گلے میں پھندا ڈال کر گلا گھونٹا گیا کہ چشم ہائے مبارک اُبل پڑیں۔ عین

حالتِ نماز میں بیت الحرام اور کعبہ شریف کے سامنے سجدہ کے دوران شانہ مبارک پر اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی رکھ دی گئی۔ پھر جاں نثاروں پر جو بیت رہی ہے وہ اُس رؤف، ودود، کریم اور رحیم ہستیٔ مبارک کے سامنے ہے۔ بلالِ حبشیؓ عرب کی تپتی ہوئی ریتلی اور پتھریلی زمین پر گھسیٹے جا رہے ہیں۔ اوباش ٹھٹھا کر رہے ہیں، مذاق اُڑا رہے ہیں۔ خباب بن ارت کو دہکتے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے کہ جسم سے چربی نکل کر آگ کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ حضرت یاسرؓ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیروں کو سرکش سانڈ اونٹوں سے باندھ کر چار سمتوں میں ہنکا دیا جاتا ہے اور اس مقدّس جسم کے چیتھڑے اُڑ جاتے ہیں۔ اُنؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت سمیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندامِ نہانی میں اس اُمّت کا فرعون ابوجہل برچھی مارتا ہے جو پشت سے پار ہو جاتی ہے اور یہ نفسِ قدسیہ جان بحق ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدّیق، حضرت عثمان بن عفّان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمّار بن یاسر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نیز دیگر صحابہ کرامؓ بھی مختلف تعدّی و ظلم کا شکار رہے ہیں"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "غور کیجئے کہ قلبِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام پر کیا بیت رہی ہو گی۔ اس ہستیٔ مبارکؐ کے قلب پر جو رافت، شفقت و رحمتِ کاملہ کے مقامِ اکمل پر فائز ہے جس سے زیادہ شفیق، رؤف، کریم و رحیم ہستی نہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پیدا کی اور نہ تا قیامت پیدا ہو گی جنؐ کو میدانِ حشر و نشر میں لوائے حمد اور حوضِ کوثر سے نوازا جائے گا۔ جو مقامِ محمود پر فائز کیے جائیں گے۔ یہ سب کچھ اس عالمِ واقعہ میں ظہور پذیر ہو رہا تھا۔ تمام مصائب و شدائد اور مظالم جھیلنے کی حضورؐ کو بھی تلقین ہو رہی تھی اور حضورؐ کے توسّط سے جاں نثاروں کو بھی۔ جوابی کارروائی تو درکنار اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی بلکہ تلقین تھی تو یہ کہ: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۔ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ○

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ "صبر نجاتِ اُخروی کی چوتھی ناگزیر شرط اور چوتھا سنگِ میل ہے۔ جیسا کہ ہم سورۃ والعصر کے مطالعہ میں وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ کے ذیل میں پڑھ آئے ہیں۔ اِس "صبر" کو ہمارے دین کی اہم ترین اصطلاح کا مقام حاصل ہے کسی مجبوری

کی بنا پر کسی مصیبت کو انگیز کرنا صبر نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ "مجبوری کا نام صبر ہے" بلکہ دین میں صبر کا مفہوم یہ ہے کہ پُورے شعور کے ساتھ راہِ حق کی مشکلات، شدائد و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے اور ان تمام موانع کے علی الرّغم دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو مسلسل و پیہم انجام دیا جائے۔ ایسے اوصاف اور عزم رکھنے والوں اور اس طرح صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنی معیّت کا یقین دلاتا ہے اور اُن کو صابرین کے معزز لقب سے نوازتا ہے "وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" ـــــ (ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں سورۂ عنکبوت کے اس رُکوع کا درس تواصی بالصّبر کے ذیل میں شامل ہے)

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ " دیکھ لیجئے کہ صنادید قریش کے مظالم اور تعدّی کے باوجود نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فریضۂ تبلیغ و دعوت، فریضۂ انذار و تبشیر اور فریضۂ شہادت علی النّاس کی ادائیگی جاری رکھی۔ طنز و استہزا ہو رہا ہے، راہ میں کانٹے بچھائے جا رہے ہیں، تشدّد ہو رہا ہے لیکن اِن موانع کے علی الرّغم گھر گھر دستک دے رہے ہیں، بازاروں اور میلوں میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ کسی قافلہ کے آنے کی خبر ملی ہے تو وہاں تشریف لے جا کر فریضۂ رسالت ادا فرما رہے ہیں۔ پھر شعبِ ابی طالب میں تقریباً تین سال کی قید و بند ہے، معاشی مقاطعہ ہے، آس پاس کی جھاڑیوں کے پتّے اِن محصورین کی غذا ہے۔ چمڑے اُبال کر بھوک سے بلکتے ہوئے بچّوں کے حلق میں پانی ٹپکایا جا رہا ہے۔ پھر یومِ طائف ہے کہ خود نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے ارشادِ گرامی کے مطابق اس سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں آیا۔ سردارانِ طائف دعوتِ حق کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ طنز و استہزا کا وہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ حسّاس دل چھلنی چھلنی ہو جائے۔ اِسی پر بس نہیں، حضور کے پیچھے اوباش لگا دیئے جاتے ہیں جو پتھروں کی بارش کرتے ہیں، فقرے چست کرتے ہیں، ٹھٹھا اور مخول کرتے ہیں۔ پتھروں کی ضرب سے جب حضورؐ گرتے ہیں تو بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اُٹھا دیا جاتا ہے اور پھر پتّھروں کی بارش شروع کر دی جاتی ہے۔ جسمِ اطہر لہو لہان ہو گیا ہے، مقدّس خون بہہ بہہ کر نعلین تک پہنچ گیا ہے اور خونِ اطہر سے نعلین مبارک پائے مبارک میں جم گئے ہیں۔ صرف ایک جاں نثار حضرت زید بن حارثہؓ ساتھ ہیں یا پھر اللّٰہ تعالیٰ ہے، عرش کانپ رہا ہے، ملائکہ تھرتھرا رہے ہیں کہ اس عبدِ کامل و اکمل کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے! اسی موقع پر ملک الجبالؑ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپؐ کی اجازت ہو تو طائف شہر کے دو اطراف کے پہاڑ آپس میں ملا دوں اور پوری

بستی کا سُرمہ کردوں۔ رحمۃ للعالمین جواب میں انکار فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ نہیں! ہو سکتا ہے کہ ان کی آئندہ نسل کو ہدایت کی توفیق حاصل ہو۔ پھر حضورؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار ہوتا ہے اور ہجرت کا مرحلہ آتا ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مصائب اور ابتلاء و آزمائش کا دَور ہجرت کے بعد بھی جاری رہا۔ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب (خندق) کے مراحل ہیں۔ غزوۂ اُحد میں ستّر جاں نثاروں نے اپنی جانِ عزیز کی قربانی سے حق کی شہادت دی ہے۔ ان میں حقیقی چچا جو دودھ شریک بھائی، بچپن کے دوست اور جاں نثار صحابی (اسد اللّٰہ و اسد رسولہ حضرت حمزہؓ کی اعضاء بُریدہ لاش بھی اس رؤف و کریم ہستیؐ کے سامنے ہے۔ کلیجہ چبایا ہوا ہے۔ اس غزوہ میں خود حضورؐ کے دو دندان مبارک شہید ہوتے ہیں، خَود کی کڑیاں رُخِ انور میں گھُس گئی ہیں۔ چند لمحوں کے لیے غشی کی کیفیت طاری رہی ہے۔ پھر یہودیوں کی سازشیں، منافقوں کی ریشہ دوانیاں ہیں، واقعۂ افک ہے۔ غور کیجئے کہ قلبِ محمدؐ علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام پر کیا گزر رہی ہوگی! خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے جو اذیّتیں دی گئیں، مجھ پر جو تشدّد کیا گیا وہ مجموعی طور پر ان سے بھی زیادہ ہے، جو تمام انبیاء و رُسُل کو دیا گیا (اَوْکما قال صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم)"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "جزیرہ نمائے عرب میں دینِ حق کا جھنڈا، نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی تیئیس سالہ محنتِ شاقہّ اور صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری اور قربانی و ایثار کے نتیجہ میں قائم ہوا۔ اب بھی اگر اللّٰہ کا دین کسی خطّۂ زمین پر قائم ہوگا تو اسی طریق پر ہوگا۔" ڈاکٹر صاحب نے رکوع کے درس سے قبل اس تمہید کے ساتھ وہ حدیث بھی سنائی کہ مکّہ میں جب کفّارِ قریش کے مظالم حد سے گزرنے لگے تو حضرت خبابؓ بن ارت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اس وقت حضورؐ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے استراحت فرما رہے تھے) اور عرض کیا کہ "یا رسول اللّٰہ ظلم و تشدّد کی حد ہوگئی، اللّٰہ کی نصرت کب آئے گی"! روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضورؐ کا چہرہ مبارک سُرخ ہوگیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "خدا کی قسم، تم جلدی مچا رہے ہو۔ تم سے پہلے کی اُمتوں کے مومنین کو تو اس سے بھی زیادہ ابتلاء و آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ کسی کا نصف جسم زمین میں گاڑ کر سر سے آرا چلایا گیا ہے اور جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں۔ کسی کے جسم سے لوہے کے کانٹوں سے گوشت جدا کیا گیا ہے، کتنوں کو زندہ آگ کے الاؤ میں جھونکا گیا ہے صرف اس پاداش میں کہ وہ کہتے تھے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ! خدا کی قسم وہ وقت

آگر رہے گا کہ تم دیکھوگے کہ ایک بڑھیا صنعا دین کا ایک شہر ہے سے مکّہ تک تن تنہا سفر کرے گی اور اُسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا" (أوكما قال صلّى الله عليه وسلّم) ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ حضورؐ کی یہ پیشین گوئی بکمال و تمام پوری ہو کر رہی۔ ازاں بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ سورۂ مبارکہ (عنکبوت) اس پس منظر میں نازل ہوئی اور اس کا پہلا رکوع خصوصیت کے ساتھ اسی BACK GROUND سے متعلق ہے۔ اس میں مسلمانوں کو ترہیب و تنبیہ بھی ہے، ترغیب و تشویق بھی اور پھر اُن کو تسلّی بھی دی گئی ہے کہ ہراساں نہ ہوں، اللہ کی نصرت و تائید تمہیں حاصل ہو کر رہے گی۔" اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پورے رکوع کا درس دیا جو عین مغرب کی نماز کے وقت اختتام پذیر ہوا۔ اس درس کے دوران حاضرین میں شاید ہی کوئی آنکھ ہو جو نم نہ ہوئی ہو اور شاید ہی کوئی دل ہو جس میں گداز پیدا نہ ہوا ہو۔

حقیقتِ نفاق

مغرب کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب نے "حقیقتِ نفاق" کے موضوع پر نہایت عالمانہ خطاب فرمایا۔ جس میں لفظِ نفاق کی لغوی اور اصطلاحی مفاہیم پر سیر حاصل روشنی ڈالی (تقریر سے قبل ڈاکٹر صاحب نے سورۃ المنافقون کی ______ ایک رفیق سے تلاوت کرادی تھی) ڈاکٹر صاحب نے اس مرض کے اسباب کو تفصیل سے بیان فرمایا اور سورۂ توبہ، سورہ المنافقون اور سورۂ نساء کے حوالہ جات سے ثابت کیا کہ منافقت اللہ تعالیٰ کے کفر سے بھی زیادہ مغضوب ہے۔ پھر نفاق کے مرض کے روک تھام کے لیے قرآن و حدیث میں جو احتیاطی تدابیر بیان کی گئی ہیں اُن کو ڈاکٹر صاحب نے مفصّل بیان کیا۔ مرضِ نفاق کے مختلف مدارج (STAGES) کی نشاندہی کی نیز اگر یہ مرض لاحق ہو جائے تو اس کا جو علاج قرآنِ حکیم میں بتایا گیا ہے، اُسے بیان کیا۔ وہ علاج ہے انفاق فی سبیل اللہ! جو سورۂ منافقون کے دوسرے رکوع میں موجود ہے۔ نفاق کا ایک بڑا سبب حبِّ دنیا ہوتا ہے جس کا مظہرِ اعلیٰ ہے، مال کی محبّت۔ اسی وجہ سے ایک مدّعیِ ایمان جہاد فی سبیل اللہ سے جی چراتا ہے۔ چنانچہ اس مرض کا علاج یہی ہے کہ وہ مال جس کی محبّت کی وجہ سے نفاق دل میں جڑ پکڑتا ہے، اسی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ چنانچہ لفظِ نفاق اور انفاق میں گہرا تعلق ہے، پہلا مرض ہے اور دوسرا اُس کا علاج ہے۔

امرِ واقعہ کے طور پر عرض ہے کہ اس تربیت گاہ کے تین خطابات "حقیقت و اقسامِ شرک" اور "حقیقتِ ایمان" نیز "حقیقتِ نفاق" نہایت عالمانہ، پُر تاثیر اور مدلّل خطابات ہیں جو

ہماری دعوت میں انتہائی کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ تینوں خطابات ٹیپ سے منتقل کرکے جلد از جلد شائع کیے جائیں۔ راقم کو توقع ہے کہ کوئی رفیق اس کا بیڑا اٹھا کر اس کام کو جلد از جلد انجام دے گا اور موجبِ اجر و ثواب ہوگا۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔

اس خطاب کے بعد مقامی حضرات کی جانب سے چند فارم مزید موصول ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے حاضرین کو بتایا کہ آج صبح کی نشست میں طے ہو چکا ہے کہ کل ۱۵ اگست کو جناب ریٹائرڈ کرنل ڈاکٹر عبدالغفور شیخ صاحب کے مکان ۔۔۔ سیٹلائٹ ٹاؤن میں عصر کی نماز کے بعد ایک مشاورت منعقد ہوگی جس میں راولپنڈی اور اسلام آباد میں علم و حکمتِ قرآن کی دعوت کا کام مستقل طور پر انجام دینے کے لیے غور و خوض ہوگا۔ جو حضرات اس کام میں عملی تعاون پیش کرنا چاہتے ہوں وہ کل عصر کی نماز عرشی مسجد میں ادا کریں جہاں کرنل صاحب موجود ہوں گے اور وہ سب حضرات کو مسجد سے اپنے مکان پر لے جائیں گے۔ اس موقع پر کرنل ڈاکٹر عبدالغفور شیخ صاحب نے کھڑے ہو کر عرشی مسجد اور اپنے مکان کا تفصیلی محلِ وقوع اور پتہ بتایا۔ بعدہٗ ڈاکٹر صاحب نے حاضرین کو بتایا کہ وہ آج رات کے آخری حصہ میں لاہور واپس چلے جائیں گے۔ پروگرام کے مطابق کل صبح نو بجے سورۂ حدید کے تین رکوعات کا درس اُن کے رفیقِ کار جناب مختار حسین صاحب فاروقی دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے فاروقی صاحب کا اجمالی تعارف کرایا کہ یہ نوجوان سول انجینئر ہیں اور تقریباً آٹھ دس سال سے ان کے کام سے عملی طور پر وابستہ ہیں اور لاہور کے مختلف حلقوں میں منتخب قرآنی نصاب کا عرصہ سے درس دے رہے ہیں۔

ان اعلانات کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نہایت خشوع و خضوع اور حضوریٔ قلب کے ساتھ اجتماعی دعا کرائی، جس کے بعد یہ مبارک مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

۱۵ اگست بروز اتوار

(نوٹ (اس دن کی رُوداد نیز ڈاکٹر صاحب کے خطابات و درس کا خلاصہ رفیق محترم جمیل الرحمٰن صاحب کے تعاون سے شامل کیا گیا ہے) صبح نو بجے سورۂ حدید کا جناب مختار حسین صاحب فاروقی نے درس دیا۔ جن رفقاء کی ڈاکٹر صاحب اس درس میں شریک ہونے کی ڈیوٹی لگا گئے تھے وہ سب شریک تھے۔ مقامی حضرات میں سے بھی تقریباً بیس افراد نے اس میں شرکت فرمائی۔ تیس چالیس حضرات جن کو ڈاکٹر صاحب کی مراجعت کا علم نہیں تھا، تشریف لائے لیکن چونکہ وہ خاص

طور پر ڈاکٹر صاحب کا درس سننے کے لیے آئے تھے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب کو موجود نہ پا کر واپس چلے گئے۔ ان میں واہ اور ٹیکسلا سے تشریف لانے والے چند حضرات بھی شامل تھے۔ سورۂ حدید ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں آخری اور تکمیلی درس کے طور پر شامل ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ میں ہمارے منتخب قرآنی نصاب کے تمام مباحث (مباحثِ ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر) زیرِ درس آجاتے ہیں اور ان کا اعادہ ہو جاتا ہے فاروقی صاحب نے ڈھائی گھنٹے تک اس سورہ کے تین رکوعوں کا درس دیا اور خوب دیا۔ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کی قرآن فہمی میں مزید اضافہ فرمائے اور اسے توفیق دے کہ وہ اسی راہ میں اپنے جسم و جان اور ذہن و فکر کی صلاحیتیں کھپا دے کہ یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک الفوز الکبیر ہے۔ آمین یا ربّ العالمین!

درس کی تکمیل کے بعد رفقاء نے ہال میں لگے ہوئے بینر اتارے اور دیگر سامان پیک کیا اور بارہ بجے دوپہر تک تمام کاموں سے فراغت ہو گئی۔ مختار حسین صاحب فاروقی اور شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کے علاوہ سب رفقاء اپنی اپنی منزلوں اور کاموں کے لیے تشریف لے گئے۔

۱۵ اگست شام کی مشاورت

اعلان کے مطابق شام کو ان ۱۶۲ حضرات میں سے جنھوں نے اپنے کوائف کے فارم پُر کر کے دیئے تھے اور اس دعوتِ قرآنی میں عملی تعاون کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ ۱۳۱ حضرات مشاورت میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ ہمارے رفیقِ محترم شیخ جمیل الرحمٰن کا کہنا یہ ہے کہ اس اجتماع کو دیکھ کر ان کا دل اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس سے معمور اور مسرت و انبساط سے باغ باغ ہو گیا۔ اِن شرکاء میں بزرگ بھی تھے، اُدھیڑ عمر بھی تھے، جوان بھی تھے اور نوجوان بھی۔ جدید اعلیٰ تعلیم کے حاملین بھی تھے اور علومِ دینی کے امین بھی، احناف بھی تھے اور اہلِ حدیث بھی۔ وہ لوگ بھی تھے جو اعلیٰ مناصب پر فائز اور وہ لوگ بھی تھے جو نجابت میں بلند مقام پر فائق۔ یہ قرآن مجید کی دعوت کا اعجاز تھا کہ ہر فقہی مکتبہ فکر اور ہر معیارِ زندگی نیز جدید و قدیم تعلیم سے آراستہ و پیراستہ لوگوں کا سنگم ہوا تھا اور ہر شخص کی دلی تمنا و آرزو یہی تھی کہ راولپنڈی اور پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں دعوتِ رجوع الی القرآن کا ایک ادنیٰ رکن بننے کی اسے سعادت نصیب ہو۔ اس مشاورت میں طے کیا گیا کہ راولپنڈی

اسلام آباد میں انجمن خدام القرآن کا قیام عمل میں لایا جائے۔

قارئینِ کرام! آئیے میں آپ کو ایک روز قبل کی رُوداد سنانے کے سبب پھر دارالشفقت لے چلوں۔ یہ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ہے۔ رات کا آخری پہر ہے، صبحِ کاذب میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے۔ ساری دنیا خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی ہے ـــــ یہ وہ وقت ہے کہ: ؎

خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا   قدرت ہے مراقبے میں گویا
فطرت بے ہوش ہو گئی ہے   آغوش میں سب کے سو گئی ہے
تاروں کا خاموش کارواں ہے   یہ قافلہ بے درا رواں ہے!

اور ایسے وقت میں راولپنڈی کے ایک گوشہ ـــــ قرآنی تربیت گاہ ـــــ میں کچھ زیادہ ہی چہل پہل ہے ـــــ جدائی کا وقت آخر آ ہی گیا ـــــ رات کے بارہ بجے نمازِ تہجّد کو کھڑے ہوئے اور دو ۲ بجے تک قرآنِ کریم کا آخری پارہ ختم ہو گیا ـــــ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت ناساز تھی، تیز تیز ادویات کے استعمال کے باوجود ان کی آواز بالکل بیٹھ چکی ہے اور اب وہ بھی اسی بس سے لاہور واپس جا رہے ہیں اور ایک رضاکار کی طرح علالت کے باوجود بس میں سامان لدوانے میں رفقاء کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ رفقاء منع بھی کر رہے ہیں، لیکن اس کا جواب وہ ایک دلفریب تبسّم سے دے رہے ہیں، اور کام میں لگے رفقاء کا ہاتھ بٹا رہے ہیں ـــــ اب ہم سب کو اپنی اپنی منزل کو روانہ ہو جانا ہے ـــــ یہ آٹھ دن پلک جھپکنے میں گزر گئے ـــــ ابھی ایک ہفتہ قبل تو ہم ملک کے گوشہ گوشہ سے کھنچ کر یہاں آئے تھے ـــــ ایک مقصد کی خاطر ـــــ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر ـــــ قرآنی تربیت گاہ سے فیض یاب ہونے کی خاطر ـــــ اللہ کے جھنڈے کو دوسرے تمام جھنڈوں سے بلند رکھنے کے لیے روحانی غذا حاصل کرنے کی خاطر ـــــ اور اب ہم جدا ہو رہے ہیں ـــــ

مصافحے ہو رہے ہیں، معانقے ہو رہے ہیں، پلکوں میں آنسو جھلملا رہے ہیں ؎

چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا   شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

محبّت کا زمزم بہہ رہا ہے ـــــ خدا کے لیے یہ محبّت ـــــ خدا کے لیے یہ الفت ـــــ خدا کے لیے یہ ملنا ـــــ خدا کے لیے یہ جدا ہونا ـــــ نہیں نہیں، خدا کی عظمت کے لیے کام کرنے والے کبھی جدا نہیں ہو سکتے، وہ مل کر رہیں گے، اُن کی دوستیاں

برقرار رہیں گی ـــــ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ـــــ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔
وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے لیے محبت کی اور اُس کے دین کی عظمت کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا۔ ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے
ـــــ میرے دوستو! کیا ان سے بڑے درجات کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟ ـــــ
مجھے نبی اکرمؐ کا وہ ارشاد یاد آرہا ہے کہ:
"خدا کے لیے محبت کرنے والوں میں اگر ایک مشرق میں رہتا ہوگا اور دوسرا مغرب میں تو خداوند تعالیٰ ان کو قیامت کے دن جمع کرکے کہے گا وہ شخص یہ ہے جس سے تو محبت رکھتا تھا"
اور خدا کی رحمت ہو نبی اکرمؐ پر جنھوں نے ہم تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پہنچایا:
"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے آج کے دن میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا اور آج کے دن سوائے میرے سائے کے اور کوئی سایہ نہیں ہے"
اور یہ فرمان بھی:
"جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں۔ اُن کے لیے آخرت میں نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء و شہداء اُن پر رشک کریں گے"
صبح کے تین بج رہے تھے اور یہ بس چل دی اور اپنے پیچھے یتیم خانہ کی اس عمارت کو سوگوار چھوڑ گئی ؎

تری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے — شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے — آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر — اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

تحریک کے یہ جگر گوشے، میرے یہ محترم رفقاء، میرے یہ عزیز ساتھی، میرے یہ بھائی جو اس تربیت گاہ سے ایک جذبۂ جواں لے کر گئے ہیں اب ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے، توبہ کی منادی کرنے کے لیے۔
اے لوگو! سُن رہے ہو! توبہ کی منادی ہو رہی ہے۔ اٹھو میری قوم کے جوانو اٹھو ـــــ بچو اٹھو اور بوڑھو اٹھو، ماؤ اٹھو اور بہنو اٹھو، عزیزو اٹھو اور دوستو اٹھو ـــــ

اٹھو قرآن کی دعوت اور توبہ کی منادی کا کام ہے کہ اٹھو یوحنا اور مسیح کی طرح توبہ کی منادی کے لیے — دیکھو کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے — آؤ مل کر —

مُنادی کریں — توبہ کی —

مُنادی کریں — — استغفار کی۔

مُنادی کریں — اللہ سے اپنے تعلق کو اُستوار کرنے کی۔

مُنادی کریں — نبی اکرمؐ سے اپنی نسبت کے حقیقی تعلق کو جوڑنے کی۔

مُنادی کریں — خلافِ اسلام کاموں سے اجتناب کی۔

مُنادی کریں — سرکشی اور نافرمانی سے بچنے کی۔

مُنادی کریں — اللہ کی راہ میں جہاد کی

مُنادی کریں — دینِ حق کے قیام کی خاطر حسبِ ضرورت نقدِ جان کا نذرانہ بارگاہِ ربُّ العزّت میں پیش کرنے کے لیے تیار و آمادہ رہنے کی۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ

مولانا امین احسن اصلاحی
کی شہرہ آفاق تفسیر "تدبّرِ قرآن"
کی جلد اوّل تا چہارم اسٹاک میں موجود ہیں۔ جلد اوّل اور جلد دوم کے نئے ایڈیشن طبع ہو کر آگئے ہیں
مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن
۳۶ K ماڈل ٹاؤن لاہور

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱ر دسمبر ۱۹۷۶ء مطابق ۱۹ر ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ کو بعد نمازِ عشاء مسجد لائن والی (مولانا احمد علیؒ کی مسجد) شیرانوالہ دروازہ میں جناب مولانا عبید اللہ صاحب انور کی صدارت میں "شہادتِ عثمان غنیؓ" کے بیان کے لیے ایک جلسہ عام منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے جو تقریر کی تھی، اُسے ٹیپ سے منتقل کر کے کچھ حک و اضافے کے ساتھ قارئین کے استفادے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے

جمیل الرحمن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى !

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْ سُوْرَةِ اللَّيْل : فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ ثُمَّ قَالَ : وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ —— وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْ سورة الحديد : اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ !! —— صدر محترم و شرکائے گرامی !

آج اس جلسے کا موضوع "شہادتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ" ہے۔ ظاہر ہے کہ اس موضوع کا زیادہ تر تعلق تاریخ سے ہے جس پر مجھ سے کہیں بہتر روشنی ان شاء اللہ جناب

پروفیسر محمد اسلم صاحب ڈال سکیں گے جو تاریخ، بالخصوص اسلامی تاریخ کے اسکالر ہیں۔ میں چونکہ قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں لہٰذا میری کوشش یہ ہو گی کہ قرآن مجید اور احادیث شریف کی روشنی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند مناقب و فضائل اور اُن کی سیرت کے چند پہلو آپ کے سامنے رکھوں۔

بنائے فضیلت

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے بارے میں سب سے زیادہ مشہور و معروف بات اُن کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کی قرابت ہے جو تقریباً ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک نسلی اور قرابت داری کا تعلق اصل اساسِ فضیلت نہیں ہے۔ قرآن مجید نے تو اس تصوّر کی کامل نفی کی ہے، چنانچہ سُورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہے :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (۱۳۔ الحجرات)

لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے (جُدا جُدا) خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لیے (نہ کہ تکبّر کے لیے) بے شک عزّت دار تو اللہ کے نزدیک تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔

نبی اکرمؐ کا عمل

رنگ و نسل اور خون کے رشتوں کے تعلق کو جن کو عام طور پر دنیا میں بنائے شرف اور فضیلت کی اساس سمجھا گیا ہے۔ قرآن مجید نے غلط قرار دیتے ہوئے رنگ و نسل کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا ہے اور اصل بنائے شرف و عزّت اور کرامت و فضیلت صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ اسی کی تفسیر و تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ حضورؐ نے اپنے اہلِ خاندان کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا اور رشتہ داری کے لحاظ سے جو لوگ قریب ترین تعلق کے حامل ہو سکتے ہیں ان کو نام بنام مخاطب فرمایا کہ :

یا فاطمۃ بنت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم انقذی نفسكِ من النّار لا املك لكِ من اللہ شیئاً یا صفیۃ عمّۃ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم انقذی نفسك من النّار لا املك لكِ من

اے فاطمہ! محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی لختِ جگر اپنے آپ کو اللہ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو اس لیے کہ میں اللہ کے ہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا اور اے صفیہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی اپنے آپ کو اللہ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو کیونکہ

اللہِ شَیْئًا — مَیں اللہ کے ہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا۔

اسی طرح نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں نسل، نسب اور رنگ و خون کو بنائے شرف و فضیلت سمجھنے کے باطل نظریہ پر سورۂ حجرات کی اس آیت کی تلاوت کی اور یہ ارشاد فرما کر کاری ضرب لگائی کہ:

لیس لعربی علی عجمی فضل ولا	نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل ہے اور
لعجمی علی عربی فضل ولا لاسود	نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت حاصل ہے اور
علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود	نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے اور نہ کسی گورے
فضل اِلّا بالتقوٰی	کو کالے پر فضیلت ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے

ازروئے قرآن حسب نسب کی کوئی اہمیّت نہیں

سورۂ حجرات کی اس آیت میں تقویٰ کو اکرام کی بنا قرار دینے کے علاوہ قرآنِ حکیم نے اس بات کو مختلف اسالیب سے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی حسب و نسب کسی کے کام نہیں آسکے گا ہر انسان کو صرف اپنے اعمال ہی اللہ کی پکڑ سے بچا سکیں گے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۝ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ۝ اور متعدد مقامات پر فرمایا گیا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۝

یہود و نصاریٰ کو بھی پندار لاحق ہوگیا تھا کہ چونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور اُن کی نسل میں جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں: وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط چنانچہ اُن کے اِس پندار کو قرآن مجید نے باطل قرار دیا اور فرمایا گیا: وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ط نیز ان کو متنبہ کیا گیا کہ پچھلوں کی کمائی اُن کے لیے تھی اور تمہاری کمائی تمہارے لیے ہے: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ج لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج (سورۂ بقرہ رکوع ۱۶)

فضائلِ عثمان رضؓ

پس معلوم ہوا کہ ازروئے قرآن مجید اصل بنائے فضیلت اور اصل بنائے شرف نسل اور خون کا رشتہ نہیں ہے بلکہ ایمان و تقویٰ ہے۔
باایں ہمہ دو باتیں انتہائی قابلِ غور ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قرابت داری اور رشتہ داری کا تعلق چاہے کُلّی طور پر بنائے فضیلت نہ ہو لیکن من وجہٍ فضیلت کی ایک بنیاد ضرور

ہے، دوسری یہ کہ ایک فرقے نے جو اسی چیز کو بنائے شرف بنایا اور اس کا زبردست چرچا کیا، اور عموماً عوام کے ذہن اس بنائے شرف کو قبول کر لیتے ہیں چونکہ اکثریّت کا تصوّر فضیلت یہی رہا ہے۔ چنانچہ عوام النّاس کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا گیا لہٰذا اس نقطۂ نظر سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قرابت داری کے پہلو کو اگر نمایاں اور واضح کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضورؐ سے قرابت

امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرابت و رشتہ داری کے لحاظ سے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تہرا رشتہ اور تعلّق ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ خاندان کے لحاظ سے نجیب الطرفین قریشی ہیں اور پانچویں پشت میں اُن کا اور حضورؐ کا نسبی تعلّق یکجا ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ غنی کی والدہ حضرت اُروی بنت اُمّ الحکیم بنت عبدالمطلب تھیں لہٰذا حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ محترمہ عبدالمطلب کی نواسی تھیں اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم عبدالمطّلب کے پوتے۔ گویا حضورؐ کے والد ماجد اور حضرت عثمانؓ غنی کی والدہ ماجدہ کے مابین پھوپھی زاد بہن اور ماموں زاد بھائی کا رشتہ ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان غنیؓ اس نسبت سے نبی اکرمؐ کے بھانجے ہیں۔

شرفِ دامادی

دوسرا رشتہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ حضورؐ کے دوہرے داماد ہیں۔ ہجرتِ مدینہ سے بہت قبل حضورؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں آئیں۔ ہجرت کے بعد غزوۂ بدر کے متّصل ہی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضورؐ کی تیسری صاحبزادی حضرت امّ کلثومؓ، حضرت عثمانؓ غنی کے حبالۂ نکاح میں آئیں۔ اسی نسبت سے حضرت عثمانؓ غنی کا لقب ذوالنّورین قرار پایا۔ حضورؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا عقدِ نکاح حضرت علیؓ سے ہو چکا تھا اور حضرت علیؓ کو حضورؐ کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔ دامادی کے اس شرف کا ایک خاص گروہ کی طرف سے خوب چرچا کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی بادنیٰ تامّل صاف نظر آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی کو حضرت علیؓ کے مقابلے میں دامادی کی فضیلت دو چند حاصل ہے۔

اُمِّ کلثومؓ سے نکاح

روایات میں آتا ہے کہ حضرت رُقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان غنیؓ پر انتہائی رنج و ملال طاری تھا۔ اور افسردگی و پژمردگی اُن کے چہرۂ مبارک سے ہویدا تھی۔ ایک روز اسی رنج و الم کے

عالم میں حضورؐ نے پوچھا کہ "اے عثمانؓ تمہارا کیا حال ہے"؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔ "میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرے برابر اور کسی کو مصیبت نہ پہنچی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی وفات پاگئیں اور میرے اور آپ کے درمیان دامادی کا رشتہ منقطع ہوگیا"۔ حضورؐ نے فرمایا "اے عثمانؓ! تم یہ کہہ رہے ہو اور جبریلؑ میرے پاس موجود ہیں، اور وہ مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّ کلثومؓ کا نکاح تم سے کردیا ہے"۔ گویا حضرت عثمان غنیؓ کا اُمّ کلثومؓ سے نکاح آسمان پر پہلے ہوا اور زمین پر بعد میں ——— نبی اکرمؐ کے ساتھ یہ فضیلت صرف حضرت عثمان غنیؓ کے نصیب میں آئی کہ جس طرح اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ بن جحش کا نکاح حضورؐ سے پہلے آسمان پر ہوا اور بعد میں زمین پر، اسی طرح کا معاملہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوچکا تھا ——— جب حضرت اُمّ کلثومؓ بھی وفات پاگئیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرتی رہتیں تو بھی میں اپنی بیٹیوں کو یکے بعد دیگرے عثمانؓ کے نکاح میں دیتا رہتا ——— روایات میں تعداد مختلف ہے لیکن سب میں یہ بات مشترک ہے کہ نبی اکرمؐ حضرت عثمانؓ غنی کی دامادی اور اُن کے حُسنِ سلوک سے اس قدر راضی، خوش اور مطمئن تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی صاحبزادیوں کو اُن کے نکاح میں دینے کے لیے تیار تھے۔

دُہرے داماد

آپ جانتے ہیں کہ خسر اور داماد کا رشتہ بڑی نزاکتوں کا حامل ہوتا ہے۔ اگر کسی داماد کے سلوک سے کسی بیٹی کا باپ غیر مطمئن ہو تو وہ کسی حال میں بھی اپنی دوسری بیٹی کو اس داماد کے نکاح میں دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ حضورؐ حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے اپنی چالیس صاحبزادیاں دینے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ایک ایسا شرف ہے کہ جس میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں اور یہ اس بات کی بھی روشن دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ حضورؐ کو کس قدر محبوب تھے۔

ذُوالنّورین کا شرف

اگر دامادی کوئی وجہِ شرف و فضیلت ہے اور یقیناً ایک درجے میں یہ وجہِ شرف و فضیلت ہے تو اس لحاظ سے بھی حضرت عثمانؓ غنی کو حضرت علیؓ پر فوقیّت حاصل ہے۔ اور اسی نسبت سے آپؓ کا لقب "ذوالنّورین" قرار پایا تھا۔ اس معزّز لقب کے چند اور پہلو بھی ہیں جو میں آگے بیان کروں گا۔

معاندین کی جسارت

شاید آپ کو معلوم ہو کہ اس دور میں ایک مخصوص گروہ کی طرف سے نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ

تاریخ کو مسخ کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔ وہ یہ کہ نبی اکرمؐ کی صلبی صاحبزادی صرف حضرت فاطمۃ الزہراؓ تھیں۔ بقیہ تین صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور امّ کلثومؓ حضورؐ کی صلبی بیٹیاں نہیں تھیں۔ بلکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے کسی پہلے فوت شدہ شوہر سے تھیں اور حضورؐ کی ربیبہ تھیں ــــــ اتنا بڑا سفید جھوٹ اس اعتماد پر گڑھا گیا ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ سال بعد اس جھوٹ کو کسی طرح ایک تاریخی سند حاصل ہو جائے۔ عوام النّاس میں نہ شعور ہوتا ہے اور نہ ذوقِ تحقیق و جستجو۔ لہٰذا اُن کے لیے پچّاس ساٹھ سال پہلے کی کسی مطبوعہ کتاب کی عبارت بھی ایک سند اور دلیل کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ دراصل یہ جرمنی کے ڈاکٹر گوئبلز کی خاص تکنیک ہے کہ بڑے سے بڑا جھوٹ ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ بولو اور مسلسل بولتے رہو ــــــ چند لوگ تو مغالطہ میں آکر اس جھوٹ کو سچ مان ہی لیں گے اور بہت سے لوگ اگر تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم تشکوک و شبہات میں ضرور مبتلا ہو جائیں گے۔

یہ سب کچھ اس لیے کیا جارہا ہے کہ جس گروہ نے نسلی تعلّق اور قرابت ہی کو بنائے شرف و فضیلت قرار دیا ہے اور اُسی پر اپنے تمام فلسفہ کی عمارت تعبیر کی اور تانا بانا استوار کیا ہے تو جب اُنہیں یہ نظر آتا ہے کہ حضورؐ سے دامادی کا تعلق اِدھر (یعنی حضرت علیؓ کی طرف) اکہرا ہے تو اُدھر (یعنی حضرت عثمانؓ کی طرف) دوہرا ہے تو انہوں نے اس بات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی کہ خود اُن کے اپنے مسلک کی تاریخ، فقہ اور احادیث کی کتابوں میں یہ بات بہ صراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن اور نبی اکرمؐ کے صُلب سے چار بیٹیاں عطا فرمائی تھیں۔ اُنھوں نے یہ جھوٹ گھڑ لیا کہ نبی اکرمؐ کی صرف ایک ہی صُلبی صاحبزادی تھیں اور وہ تھیں حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔ یہ طرزِ عمل ڈھٹائی اور بے شرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

ذاتی فضائل

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جن اہلِ ایمان کا حضورؐ کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری کا تعلق تھا تو یہ تعلّق بھی ایک بنائے فضیلت ہے لیکن یہ اصل اور واحد بنائے فضیلت نہیں ہے۔ اصل بنائے فضیلت درحقیقت انسان کا اپنا کردار، اپنا عمل، اپنا تقویٰ اور اپنے اوصاف ہوتے ہیں۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے کہ

ـــہ ان الفتیٰ من یقول ھا انا ذا ۔۔۔ لیس الفتیٰ من یقول وکان ابی

(اصل جواں مرد تو وہ ہے جو یہ کہے کہ "یہ مَیں ہوں"۔ وہ جواں مرد نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا)

اس شعر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "پدرم سلطان بود" کہنے والوں کو کبھی بھی دنیا میں مقامِ عزت

حاصل نہیں ہوا ہے۔ سوال تو یہ ہوتا ہے کہ تم کیا ہو؟ جواں مرد تو وہی کہلانے کا مستحق ہے جو میدان میں آکر یہ کہے کہ "یہ میں موجود ہوں" اس میں واقعی جواں مردی کے جوہر موجود ہوں۔ جواں مرد وہ نہیں ہے جو یہ کہے کہ میرے باپ دادا ایسے شجاع، جری اور دلیر تھے۔ دنیا ایسے دعووں کو کبھی تسلیم نہیں کرتی اس کی نظر میں قدر و قیمت صرف اس انسان کی ہوتی ہے جس میں اپنے ذاتی اوصافِ حمیدہ موجود ہوں

مُنعَم علیہم کون ہیں؟

میں چاہتا ہوں کہ خاص ذاتی اوصاف اور سیرت و کردار کے اعتبار سے حضرتِ عثمان غنیؓ کی سیرتِ مبارکہ کا جائزہ لیا جائے میں نے آج آغاز میں قرآن مجید کی جن آیات کی تلاوت کی ہے وہ درحقیقت میری آج کی اس تقریر کے عنوان کی حیثیت رکھتی ہیں ——— آپ کو معلوم ہے کہ سورۂ فاتحہ ہماری نماز کا جزوِ لازم ہے۔ اس سورہ میں ہم اپنے ربّ سے ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں کہ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ط " اے ہمارے پروردگار! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا" یہاں یہ بیان نہیں ہوا کہ منعم علیہم کون لوگ ہیں کہ جن کے راستے کی راہنمائی کی دعا کی جا رہی ہے ——— قرآن کا اصول یہ ہے کہ: اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا ——— چنانچہ سورۂ نساء میں اس بات کو واضح کیا گیا۔ وہاں فرمایا گیا کہ اُن اہلِ ایمان کو جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کو اس دنیا میں لازم کر لیں گے، تو اُن کو آخرت میں اُن لوگوں کی رفاقت و معیّت نصیب ہو گی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا۔ اور یہ منعم علیہم اور خوش نصیب لوگ نبیینؑ، صدیقینؓ، شہداء اور صالحین ہیں، ایسے مبارک اور احسن لوگوں کی رفاقت اہلِ ایمان کو نصیب ہو گی:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۝ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝

سورۂ نساء کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ از روئے قرآنِ حکیم منعم علیہم کی چار جماعتیں ہیں۔ ان میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام بلند ترین مقام پر فائز ہیں، اُن کے بعد صدیقین کا درجہ ہے، اُن کے بعد ہیں شہدائے کرام اور اُن کے بعد ہیں صالحین و مومنین ——— ان چاروں درجاتِ عالیہ میں سے جہاں تک نبوّت کا تعلق ہے تو وہ پہلے ہی کسبی نہیں تھی، وہبی تھی اور نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی پر تو اس کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لیے بند ہو چکا ہے۔ حضورؐ پر سلسلۂ نبوّت

ختم ہی نہیں ہوا بلکہ اُس کی تکمیل و اتمام بھی ہوگیا ــــــ اب قیامت تک کسی نوع کا بھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ نہ ظلی نہ بروزی ــــــ اب جو بھی دعوئ نبوّت کرے اُس کے کذّاب ہونے میں کوئی کلام نہیں ــــــ البتہ بقیہ جو تین مراتب و مدارج ہیں ان کے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ اپنی اپنی ہمّت اپنی اپنی کوشش، اپنی اپنی محنت اور اپنا اپنا ایثار اور کسی درجے میں اپنی اپنی افتادِ طبع کے اعتبار سے ان تینوں مراتب پر فائز ہونا اب بھی ممکن ہے۔ البتہ جو نفوسِ قدسیہؓ نبی اکرمؐ کے صحبت یافتہ اور صحابی ہونے کے شرف کے حامل ہیں۔ اُن کے رتبے اور مرتبے کو پہنچنا ممکن نہیں۔ ہاں! اُن مقاماتِ عالیہ کے دروازے بند نہیں ہوئے اور مومنین کو اپنی اپنی سعی و جہد اور محنت کے نتیجہ میں یہ درجات حاصل ہو سکتے ہیں۔

صدّیق اکبرؓ کا مقام

اب اس مقدّمے کے ساتھ آخری پارے کی ایک سُورۂ سورۃ اللیل کی اِن آیاتِ مبارکہ پر غور کیجئے جن کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی۔ اس سورۂ مبارکہ کی آخری چھ آیات کے متعلق تو تقریباً مفسّرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکرؓ صدّیق کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو بلاشبہ صدّیقِ اکبر ہیں اور جن کی شان یہ ہے کہ وہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں ــــــ اِن آیات میں الاتقیٰ کے مصداق اکثر مفسّرین کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ صدّیق ہیں۔ اِن آیات میں صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ سیرت و شخصیّت کا سب سے نمایاں وصف اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا بیان ہوا ہے: اَلَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ۞ یہ مال اللہ کی راہ میں صدّیقِ اکبرؓ نے اپنے تزکیہ کے لیے صرف کیا۔ یہ نہیں کہ اُن پر کسی کا قرض یا دباؤ تھا بلکہ یہ سارا انفاق لِوَجۡہِ اللہ تھا چنانچہ فرمایا وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی ۞ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی ۞ اس مال کے صرف کا ایک ہی مقصد صدّیقِ اکبرؓ کے پیشِ نظر تھا اور وہ تھا رضائے الٰہی کا حصُول ــــــ یتیموں کی سرپرستی، بیواؤں کی دستگیری، صاحبِ ایمان غلاموں کی خرید اور رستگاری مسافروں کی خبرگیری، محتاجوں کی حاجت روائی اور پھر دینِ حق کے غلبے اور اللہ کے جھنڈے کو بلند کرنے، اسلام کی نشر و اشاعت، جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے سامان کی فراہمی میں۔ صدّیقِ اکبرؓ کے مال و منال خرچ ہو رہے تھے اور تمنّا اور آرزو تھی تو صرف یہ کہ اللہ راضی ہو جائے ــــــ اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی صدّیقِ اکبرؓ کو اپنی رضا کی اِن الفاظ میں خوش خبری سُنائی ہے کہ: وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی ۞ امامِ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سُورۃ اللیل دراصل

سورۂ صدّیقیّت ہے اور فوراً مابعد سورۃ الضحیٰ ہے سورۂ محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ـــــ یہی نکتہ ہے کہ سورۃ اللّیل میں صیغۂ غائب میں فرمایا وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى ○ اور سورۃ الضحیٰ میں واحد حاضر کے صیغے میں فرمایا : وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ○

صدّیقیّت کے عناصرِ ترکیبی

مقامِ صدّیقیّت کے جو عناصرِ ترکیبی ہیں وہ سورۃ اللّیل کی ابتدائی ان تین آیتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ جن کی مَیں نے آغاز میں تلاوت کی تھی : فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى ○ ـــــ جس صاحبِ ایمان شخص کی سیرت و کردار میں یہ اجزائے ثلاثہ اعطاء، تقیٰ اور تصدیق بالحسنیٰ جمع ہو جائیں اس کے لیے مقامِ صدّیقیّت کی راہ کھل جاتی ہے اور کشادہ و آسان بھی ہو جاتی ہے۔ آخری آیات میں سب سے زیادہ اعطاء کے وصف کو نمایاں کیا گیا۔ جیسا کہ مَیں ابھی بیان کر چکا ہوں :۔ اَلَّذِیۡ يُؤۡتِیۡ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ○ ـــــ ایک طرف اعطاء ہو، جُود و سخا ہو۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر انسان تڑپ اُٹھے، اُس کی تکلیف دُور کرنا اگر اُس کے بس میں ہو تو اس تکلیف کو دُور کرے۔ کسی کو احتیاج میں دیکھ کر اُس کا اپنا آرام حرام ہو جائے، اور اُس پر یہ دھن سوار ہو کہ کسی طرح اُس کی احتیاج کے دُور کرنے میں اُس کا تعاون شامل ہو جائے مقامِ صدّیقیّت کا یہ سب سے اعلیٰ وصف ہے۔ دُوسرا وصف ہے تقویٰ ـــــ طبیعت میں نیکی کا مادّہ، خیر کا جذبہ، نیکی کا فطری میلان، بُرائی اور بدی سے طبعی کراہیّت اور نفرت، برائی سے بچنے کا ذاتی رُجحان اور کوشش ـــــ خدا خوفی اور خدا ترسی کی ایک کیفیت ـــــ اور تیسرا وصف جو مقامِ صدّیقیّت کی تکمیل کرتا ہے اور جس سے کسی کی صدّیقیّت پر مہر ثبت ہو جاتی ہے وہ ہے وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ○ جو بھی اچھی بات سامنے آئے اُس کی فوراً تصدیق کرے۔ انانیت نہ ہو، تکبّر نہ ہو کہ مَیں اگر دوسرے کی بات مان لُوں گا تو مَیں چھوٹا ہو جاؤں گا اور وہ بڑا ہو جائے گا ـــــ ہم خود اپنے اُوپر اس بات کو وارد کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ بسا اوقات کسی سے بحث ہو رہی ہے اور اثنائے بحث میں ہم نے محسوس کر لیا کہ مقابل کی بات درست ہے لیکن انسان اپنی بات کی پیچ اور انانیت کی بنا پر اپنے موقف کے غلط ہونے کے شعور و ادراک کے باوجود دوسرے کی بات تسلیم کرنے سے اعراض کرتا ہے اور اُسے اپنی شکست اور ہیٹی سمجھتا ہے۔ لہٰذا کٹ حجتی اختیار کرتے ہوئے دلیل پر دلیل وضع کرتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات کو مان لینا اور

تسلیم کرلینا آسان کام نہیں۔ جس میں یہ وصف ہو کہ چاہے دشمن بھی کوئی ایسی بات کہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو تو اُسے فوراً تسلیم کرے، بلاشبہ وہ صاحبِ کردار شمار ہوگا۔ اس طرزِ عمل کا نام ہے تصدیق بالحسنیٰ ـــــ یہ تینوں اوصاف۔ اعطاء، تقویٰ اور تصدیق بالحسنیٰ، جس صاحبِ ایمان میں جمع ہوجائیں، وہ شخص صدّیق کہلائے گا۔ چنانچہ سب سے زیادہ اور سب سے نمایاں یہ اوصافِ ثلاثہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی شخصیت میں جمع ہوئے اسی لیے وہ صدّیقِ اکبرؓ ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "صدیق" صرف وہ ہی ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدّیقین کی جماعت میں حضرت ابوبکرؓ دراصل 'صدیق اکبر' کے مقام پر فائز ہیں وہ صدّیقین کی جماعت کے سرخیل اور گلِ سرسبد ہیں۔ دلیل سورۃ النساء کی اس آیت میں موجود ہے، جس کا میں نے ابھی حوالہ دیا ہے، اس میں جمع کا صیغہ "صدّیقین" استعمال ہوا ہے۔

یہی بات سورۃ حدید کی ان آیات میں بیان ہوئی ہے جن کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی۔ وہاں فرمایا: اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ "بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیں۔ اُن کے لیے دُگنا اجر ہے اور بہترین بدلہ ہے، جس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔" اِس آیتِ کریمہ میں ایک "صدقہ" کی اصطلاح استعمال ہوئی اور ایک "اللہ کو قرضِ حسن دینے کی" ـــــ ان دونوں اصطلاحوں کے علیحدہ علیحدہ مفاہیم ہیں ـــ "صدقہ" اس انفاق کو کہتے ہیں جو یتیموں، بیواؤں، محتاجوں، مسافروں، اور حاجت مندوں کی خبرگیری اور حاجت روائی کے لیے صرف کیا جائے ـــــ اللہ کے ذمے "قرضِ حسن" دراصل وہ مال ہے جو اللہ کے دین کے غلبے، نشرواشاعت اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں صرف کیا جائے جس کا مقصود و مطلوب ہو لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ـــــ سورۃ حدید میں اللہ کے دین کے غلبے کے لیے مسلمانوں کو ترغیب و تشویق کا مضمون تانے بانے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ "کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تاکہ وہ اس میں مسلسل اضافہ فرماتا رہے ایسے شخص کے لیے اجرِ کریم ہے۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اور رحیمی ہے کہ وہ اس مال کو جو اُس کے دین کی سربلندی کے لیے صرف کیا جائے، اپنے ذمے "قرضِ حسنہ" سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو الغنی

ہے۔ اُسے کسی کے مال کی کوئی حاجت نہیں اُس کی شان تو وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ لیکن وہ اپنے دین کی راہ میں خرچ کرنے والے مال کو اپنے ذمّے قرضِ حسن سے تعبیر محض مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کے لیے فرماتا ہے ـــــ اسی سورۂ حدید میں صاحبِ احتیاج لوگوں کی حاجت روائی اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مال صرف کرنے والوں سے اجرِ کریم کے اضافہ کے وعدے کے بعد فرمایا: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ۔ "اور جو لوگ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی صدّیقین اور شہداء میں سے ہیں۔ اُن کے لیے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے۔" یعنی جن لوگوں میں اعطاء کا وصف موجود ہے، جو بخیل نہیں ہیں، جُود و سخا سے متصف ہیں، جو غرباء، فقراء، یتامیٰ، مساکین اور دوسرے صاحبِ احتیاج لوگوں کی خبرگیری اور حاجت روائی نیز اللہ کے دین کے اظہار و اقامت اور نشر و اشاعت کے لیے اپنا مال صرف کرسکتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے کشتِ قلوب میں ایمان کی تخم ریزی ہوتی ہے اور وہ پھوٹتا ہے تو پُورے طور پر بار آور ہوتا ہے، اور خوب برگ و بار لاتا ہے ـــــ یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیج ایک ہو لیکن اگر زمین مختلف ہو تو نتائج بھی مختلف برآمد ہوتے ہیں۔ ہر بیج کی نشوونما اور بار آوری کے لیے لازم ہے کہ زمین اُس بیج کے لیے سازگار ہو۔ اگر زمین بنجر ہوگی تو بیج ضائع ہوجائے گا۔ اسی بات کو نبی اکرمؐ نے اپنے ارشادِ گرامی سے بھی واضح کیا اور اسی کی ایک تمثیل انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ زمینوں کے فرق سے پیداوار میں زمین و آسمان کا تفاوت ہوجائے گا ـــــ ایک کشتِ قلب وہ ہے جس میں اعطاء، صدقہ، اور انفاق فی سبیل اللہ کا ہل چل چکا ہے۔ اِس میں جب ایمان کا بیج پڑے گا تو بار آور ہوگا اور اُس کو صدّیقیت و شہادت کے مقاماتِ عظمیٰ تک رسائی آسان ہوجائے گی: اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔ "یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ کے نزدیک صدّیق بھی ہیں اور شہید بھی ـــــ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ۔" یہی لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ بھی اللہ کے ہاں محفوظ ہے اور جن کا نور بھی محفوظ ہے۔"

ذُوالنّورین کی مزید شرح

میں حضرت عثمان غنیؓ کے لقب "ذُوالنّورین" کی شرح اس آیت کے ضمن میں بھی کر

رہا ہوں۔ چونکہ ہم جب حضرت عثمانؓ غنی کی سیرتِ مبارکہ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ نورِ صدیقیّت اور نورِ شہادت، دونوں جس شخصیت میں یکجا جمع ہوئے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس بات کو حضرت عثمانؓ کی سیرت کے تجزیے سے بہتر طریقے پر سمجھا جا سکے گا۔ میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں، میں اُس کا تانا بانا بُن چکا ہوں۔ اب آپ اس میں بہ سہولت پھول ٹانک سکتے ہیں، اب یہ پھول آپ کو علیحدہ محسوس نہیں ہوں گے بلکہ تانے بانے میں گتھے ہوئے نظر آئیں گے۔

جُود و سخا

سب سے پہلے اعطاء کے وصف کو لیجیے جو مقامِ صدیقیّت کا وصفِ اوّل ہے۔ یہ وصف حضرت عثمان غنیؓ کی سیرت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں جو شاہ صاحبؒ کی بڑی معروف، علمی اور محققانہ کتاب ہے جس میں اس تمام پروپیگنڈے کے طوفانِ بے تمیزی کی مدلّل تردید موجود ہے جو ایک خاص فرقے کی طرف سے اہل بیت کی محبت کے بہروپ میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ بالخصوص سیّدنا ابوبکر صدّیقؓ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیّدنا عثمان غنیؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف اُٹھایا جاتا رہا ہے، محققین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ غنیؓ کو "ذوالنّورین" کا جو لقب ملا تو اُس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اُن میں دو سخاوتیں جمع ہو گئی تھیں۔ ایک سخاوت اسلام لانے سے پہلے کی زندگی کی ہے اور دوسری سخاوت کی شان وہ ہے کہ جو اسلام لانے اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد ظاہر ہوئی۔ اصلاً تو "ذوالنّورین" کا لقب یکے بعد دیگرے حضورؐ کی دو صاحبزادیوں کا حضرت عثمانؓ کے حبالۂ نکاح میں آنے کی وجہ سے ملا تھا۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک محققینِ اُمّت کا یہ قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے کہ اس معزّز لقب کا مترادف حضرتِ عثمانؓ کی زندگی میں اسلام سے قبل اور قبولِ اسلام کے بعد کی جُود و سخا بھی ہے لہٰذا اگر ہم "ذوالنّورین" کے معزّز لقب کے دوسرے اسباب بھی سیرتِ عثمانؓ غنی سے متعیّن کریں تو تو وہ بالکل حق بجانب ہو گا۔

دو سخاوتوں کا اجتماع

حضرت عثمانؓ غنی کی عمر نبی اکرمؐ سے پانچ سال کم تھی۔ ان کے حضرت ابوبکر صدّیقؓ سے بڑے گہرے مراسم

تھے۔ ظاہر ہے کہ گہرے اور مضبوط دوستانہ تعلقات و مراسم میں طبیعت و مزاج کی یگانگی و موافقت موجود ہونی ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا جس طرح اسلام سے قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ پیکرِ جُود و سخا اور نوعِ انسانی کی ہمدردی سے معمور شخصیت تھے اُسی کا عکسِ کامل حضرت عثمان غنیؓ بھی تھے ــــــ اسلام لانے کے بعد جس طرح صدیقِ اکبرؓ نے اپنا سارا اثاثہ اور مال و منال دینِ حق کی سربلندی اور غلبے کے لیے لگایا اور ان غلاموں کو جو دولتِ ایمان سے مشرف ہونے کے باعث اپنے آقاؤں کے ہاتھوں ظلم کی چکّی میں پس رہے تھے اپنی جیبِ خاص سے خرید کر آزاد کیا۔ اور غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنا پورا اثاث البیت سمیٹ سمٹا کر نبی اکرمؐ کے قدموں میں لا ڈالا، کم و بیش یہی کیفیت حضرت عثمان غنیؓ کی بھی رہی ہے اور انھوں نے نہایت ہی نامساعد حالات میں اپنے سرمائے سے دین کی خدمت کی ہے جس کی چند مثالیں میں آگے بیان کروں گا۔ اس وقت جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر صدّیق کی سیرت میں صدّیقیتِ کبریٰ کا عکس ضرور نظر آئے گا۔ چنانچہ حضرتِ عثمانؓ کی سیرت میں بہ کمال و تمام یہ عکس موجود ہے اور اسی وصف کے باعث ان کا دوسرا معزز لقب "غنی" بھی ہے۔

بیرِ رُومہ

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کو پانی کی دقت ہوئی، اور مسلمانوں کی عورتیں بیرِ رُومہ سے جو ایک یہودی کی ملکیت اور مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھا، پانی بھرنے جاتی تھیں تو یہودی ان پر فقرے کستے تھے اور اس طرح مسلمانوں کی عزّت مجروح ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی جیبِ خاص سے میٹھے پانی کے اس کوئیں کے مالک یہودی کو منہ مانگی بھاری قیمت ادا کر کے بیرِ رُومہ خریدا اور اُسے مسلمانوں کے استفادے کے لیے وقف کر دیا ــــــ نبی اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اَلنَّاسُ کَالْمَعَادِنِ ــــ "لوگ معدنیات کے مانند ہوتے ہیں"۔ سونے کی دھات جب ناصاف اور کچّی حالت میں ہو تب بھی تو وہ سونا ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کے ساتھ مٹی، چونا اور دوسری چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس کچّی دھات کو کٹھالی میں ڈال لیجیے تو خالص سونا فراہم ہو جائے گا، اُس کی ماہیّت میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہی بات ہے جو اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہے کہ: خیارکم فی الجاھلیّۃ خیارکم فی الاسلام "تم میں سے جو دورِ جاہلیّت میں بہترین لوگ تھے وہی اسلام میں بھی بہترین لوگ ہیں"۔

سونا جب تپ تپا کر کٹھالی سے برآمد ہوتا ہے تو وہ زرِ خالص ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ صدّیقین کا ہوتا ہے۔ اُن میں جو اوصاف ایمان سے قبل موجود ہوتے ہیں وہ ایمان کی بھٹی میں سے گزر کر مزید نکھر جاتے ہیں اور پختہ ہو جاتے ہیں اسی اعتبار سے صدیقِ اکبرؓ اور عثمانؓ غنی کی سیرتوں کے دونوں ادوار میں فیّاضی اور سخاوت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

غلاموں کو آزاد کرانا

حضرت عثمانؓ غنی جو بالکل آغاز ہی میں حضرت ابوبکر صدّیق کی دعوت پہ ایمان لائے تھے خود فرماتے ہیں کہ " نبی اکرمؐ کے دستِ مبارک پر بیعتِ ایمان کرنے کے بعد میری زندگی میں کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا جس میں، مَیں نے کسی نہ کسی غلام کو آزاد نہ کیا ہو۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ مَیں کسی جمعہ کو غلام آزاد نہ کر سکا تو اگلے جمعہ کو مَیں نے دو غلام آزاد کئے "۔

حرمِ نبویؐ کی توسیع

مسجدِ نبویؐ کی توسیع کے لیے نبی اکرمؐ نے ایک موقع پہ فرمایا کہ " کون ہے جو فلاں مویشی خانے کو مول لے اور ہماری مسجد کے لیے وقف کر دے تاکہ اللہ اُس کو بخش دے" تو حضرت عثمانؓ غنی نے بیس یا پچیس ہزار میں یہ قطعہ زمین خرید کر مسجد نبوی کے لیے وقف کر دیا۔

جیشِ عُسرۃ

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عثمانؓ غنی کے جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ دیکھیے۔ یہ وہ موقع تھا کہ صدّیقِ اکبرؓ تو اُس مقامِ بلند ترین اور انتہا تک پہنچے کہ کل اثاث البیت لاکر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا، گھر میں جھاڑو تک نہ چھوڑی اور جب حضورؐ نے فرمایا کہ " کچھ فکرِ عیال بھی چاہیئے " تو اس رفیقِ غار اور عشق و محبّت کے رازدار نے کہا کہ ؎

پروانے کو چراغ ہے بُلبُل کو پھول بس صدّیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

یہی وہ موقع تھا کہ جب فاروقِ اعظمؓ کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ وہ اس مرتبہ انفاق میں صدّیقِ اکبرؓ سے بازی لے جائیں گے۔ چونکہ حُسنِ اتفاق سے اُس وقت خود حضرت عمر فاروقؓ کے بقول ——— اُن کے پاس کافی مال تھا۔ انہوں نے اپنے تمام اثاثے کے دو مساوی حصّے کیے، ایک حصّہ اہل و عیال کے لیے چھوڑا اور دوسرا حصّہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن جب جناب صدّیقِ اکبرؓ کا یہ ایثار اُن کے سامنے آیا کہ گھر میں جھاڑو پھیر کر سب کچھ خدمتِ اقدس میں لا ڈالا تو وہ بے اختیار پکار اُٹھے کہ صدّیقِ اکبرؓ سے آگے بڑھنا کسی کے بس کی بات

نہیں ہے۔

حضرتِ عثمانؓ کا ایثار

غزوۂ تبوک کی تیاری ہو رہی ہے، سینکڑوں میل دُور کا سفر درپیش ہے، سخت ترین گرمی کا موسم ہے، جہاد کے لیے نفیرِ عام ہے، وقت کی ایک عظیم ترین طاقت قیصرِ رُوم سے مسلح تصادم کا مرحلہ سامنے ہے۔ مسجدِ نبویؐ میں نبی اکرمؐ منبر پر تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو بار بار ترغیب و تشویق دلا رہے ہیں کہ اس غزوہ کے لیے زیادہ سے زیادہ انفاق کرو۔ اسلحہ اور سامانِ رسد و نقل و حمل مہیا کرو یا اُس کی فراہمی کے لیے نقد سرمایہ دو۔ اس موقع پر حضرت عثمانؓ غنی کھڑے ہوتے ہیں اور بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ! سَو اونٹ مع ساز و سامان اور رسد میری طرف سے حاضر ہیں ——— حضورؐ کو علم ہے کہ کتنی عظیم مہم درپیش ہے اور کتنا ساز و سامان درکار ہے، لہٰذا حضورؐ صحابہؓ کو انفاق کی مزید ترغیب دیتے ہیں، حضرت عثمانؓ پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ! میں سَو مزید اونٹ مع ساز و سامان پیش کرتا ہوں۔ حضورؐ لوگوں کو مزید ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ تیسری بار پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں ساز و سامان سمیت میں سَو اونٹ مزید فی سبیل اللہ نذر کرتا ہوں یعنی تین سَو اونٹ مع ساز و سامان اُس مردِ غنی کی جانب سے اس غزوہ کے لیے پیش کئے جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس موقع پر حضورؐ منبر سے اُترے اور دو مرتبہ فرمایا کہ اس کے بعد عثمانؓ کو کوئی بھی عمل (آخرت میں) نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" اس واقع کے متعلق پُوری حدیث یہ ہے:۔

شهدت النبي صلّى الله عليه وسلّم وهو يحث على تجهيز جيش العسرة فقام عثمان فقال يا رسول الله: على مائة بعير بأحلاسها وأقتابها في سبيل الله، ثم حضّ على الجيش، فقام عثمان فقال يا رسول الله: عليّ ثلاثمائة بعير بأحلاسها وأقتابها في سبيل الله، فأنا رأيت النبي صلّى الله عليه وسلّم ينزل عن المنبر وهو يقول: ما على عثمان ما عمل بعد هذه ما على عثمان ما عمل بعد هذه -

مزید ایثار اور حضورؐ کی خوشنودی

اسی جیشِ عسرة کے لیے حضورؐ نقد سرمائے کے انفاق کی بھی ترغیب

دلاتے ہیں تو حضرت عثمان غنیؓ اپنے مستقر پر جاتے ہیں اور اپنے گماشتوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ جس قدر بھی نقد سرمایہ جمع ہو سکے فوراً اکٹھا کرو۔ چنانچہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) ایک تھیلی میں بھر کر نبی اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہیں عثمان غنیؓ حضورؐ کی گود میں وہ اشرفیاں اُلٹ دیتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جوشِ مسرت سے چہرۂ انور کی رنگت اتنی سرخ ہو جاتی ہے کہ جیسے رخسار مبارک پر سرخ انار نچوڑ دیئے گئے ہوں یعنی حضورؐ کا چہرۂ مبارک گلنار تھا۔ آپؐ جوشِ مسرت کے ساتھ اپنی گود میں ہاتھ ڈال کر ان اشرفیوں کو بار بار اُلٹ پُلٹ رہے تھے۔ اس موقع پر بھی حضورؐ دو مرتبہ فرماتے ہیں کہ "آج کے دن کے بعد عثمانؓ کو (آخرت میں) کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکتا" حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ جَاءَ عثمان الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالف دینار فی کمہ حین جھز جیش العسرۃ فنثرھا فی حجرہ ، فرأیتہ صلی اللہ علیہ وسلم یقلبھا فی حجرہ ویقول: ماضرّ عثمان ما عمل بعد الیوم مرّتین ۔

اس کا دُور دُور بھی امکان نہیں تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ جیسے مومن صادق سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی کوئی معصیت صادر ہو گی۔ حضورؐ کا یہ ارشاد دراصل حضرت عثمان غنیؓ کے اس بلند مقام و مرتبہ کے اظہار کے لیے تھا۔ جو انہوں نے انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت حاصل کیا تھا۔

فیاضی کی مزید مثالیں

اسی غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ تبوک کے سفر میں جتنی بھوک پیاس اور سواری کی تکلیف درپیش آئی اتنی کسی دوسرے غزوے میں نہیں آئی۔ دورانِ سفر ایک مرتبہ سامانِ خورد و نوش ختم ہو گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مناسب سامان اُونٹوں پر حضورؐ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اُونٹوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ اُن کی وجہ سے دُور سے تاریکی نظر آ رہی تھی جس کو دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "لوگو! تمہارے واسطے بہتری آ گئی ہے" اُونٹ بٹھائے گئے اور جو کچھ اُن پر لدا تھا، اُتارا گیا۔ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا "میں عثمانؓ سے راضی ہوں، اے اللہ! تو بھی عثمانؓ سے راضی ہو جا" یہ فقرہ حضورؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر صحابہؓ سے کہا کہ "تم بھی عثمانؓ کے حق میں دعا کرو"

"اسی ازالۃ الخفاء" میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت

نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ چار دن رسول اللہؐ کے گھر والوں پر بے آب و دانہ گذر گئے۔ نبی اکرمؐ نے مجھ سے پوچھا، اے عائشہؓ! کہیں سے کچھ آیا۔ میں نے کہا کہ خدا آپؐ کے ہاتھ سے نہ دلوائے تو مجھے کہاں سے مل سکتا ہے۔ اِس کے بعد حضورؐ نے وضو کیا اور اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ کبھی یہاں نماز پڑھتے کبھی وہاں اور اللہ سے دعا فرماتے"۔۔۔۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تیسرے پہر حضرت عثمان آئے، انہوں نے پوچھا کہ اے ماں! رسول اللہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا کہ بیٹے! محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے گھر والوں نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا۔ نبیؐ اکرم اسی پریشانی میں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ رو پڑے۔ فوراً واپس گئے اور آٹا، گیہوں، خرمے اونٹوں پر لدوائے اور کھال اتری ہوئی بکری اور ایک تھیلی میں تین سو درہم لے کر آئے"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "حضرت عثمانؓ نے مجھے قسم دلائی کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے، مجھے خبر کیجئے گا"۔۔۔ کچھ دیر بعد حضورؐ تشریف لائے اور پوچھا میرے بعد تم کو کچھ ملا۔ میں نے کہا" اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنے اللہ سے دعا کرنے گئے تھے اور اللہ آپؐ کی دعا رد نہیں کرتا"۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپؐ یہ سن کر پھر مسجد میں چلے گئے اور میں نے سُنا کہ حضورؐ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے ہیں کہ" اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوگیا تو بھی اُس سے راضی ہوجا۔ اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوگیا تو بھی اس سے راضی ہوجا"۔

صدقے میں حضرت عثمانؓ کا مرتبہ بے حد بلند تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے ان کے صدقے کا ایک عجیب ماجرا بیان کیا ہے جو دورِ صدیقی میں پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ بھی شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب" ازالۃ الخفا" میں درج کیا ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایک سال قحط پڑا۔ سامانِ خورد و نوش کے ذخیرے ختم ہوگئے۔ لوگوں نے حضرت صدّیق اکبرؓ سے فریاد کی تو انہوں نے فرمایا کہ اِنْ شاء اللہ کل تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ دوسرے روز علی الصبح حضرت عثمانؓ غنی کے ایک ہزار اونٹ غلّے سے لدے ہوئے مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے تجّار علی الصبح حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچے اور اُن کو پیش کش کی کہ وہ یہ غلّہ ان کے ہاتھ فروخت کر دیں تاکہ بازار میں بیچا جاسکے اور لوگوں کی پریشانیاں دور ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا، میں نے یہ غلّہ شام سے منگایا ہے تم میری خرید پر کیا نفع دو گے؟ تاجروں نے دس کے بارہ کی پیش کش کی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مجھے اس سے زیادہ ملتے ہیں۔ تاجروں نے

کہا ہم دس کے چودہ دیں گے۔ آپ نے کہا مجھ کو اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ اُن لوگوں نے دس کے پندرہ دینے کی پیش کش کی۔ آپ نے کہا مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم سے زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ میں تجارت کرنے والے تو ہم ہی لوگ ہیں ــــ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مجھے تو ہر درہم کے بدلے میں دس ملتے ہیں۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا۔ نہیں! حضرت عثمانؓ نے کہا۔ "اے تاجرو! میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں یہ تمام غلہ مدینہ کے محتاجوں پر صدقہ کرتا ہوں" ــــ حضرت ابنِ عباسؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ اُسی رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، ایک نور کی چھڑی آپؐ کے دستِ مبارک میں ہے اور جوتے کے تسمے بھی نور کے ہیں اور آپؐ بعجلت کہیں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں آپؐ کا بے حد مشتاق ہوں، مجھ پر بھی کچھ توجہ فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا: "میں عجلت میں ہوں، اس وجہ سے کہ عثمان غنیؓ نے اللہ کی راہ میں ہزار اُونٹ غلہ صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کا صدقہ قبول کر لیا ہے۔ اس کے عوض جنت میں اُن کی شادی کی ہے میں اسی میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں"

اللہ! اللہ! یہ ہے اعطاء کی شان جس کے حامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ ــــ اعطاء کے وصف میں پیکرِ اکمل و افضل ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضورؐ کے عکسِ کامل ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صدیق اکبرؓ کے عکسِ کامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــ اس بیان کے ساتھ سورۂ حدید کی اِن آیات پر ایک نگاہِ بازگشت ڈال لیجئے۔ جن کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی:-

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ط

تُقیٰ کی شان

اب آگے چلئے اور عثمان غنیؓ کی سیرت میں تقویٰ کے وصف کا جائزہ لیجئے۔ استعاب کا ایک قول شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی خود یہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں کبھی بھی نہ زنا کیا اور نہ چوری کی" ــــ یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ صدیق پر دورِ جاہلیت

کبھی بھی نہیں آتا، وہ فطرتاً سلیم الطبع اور مکارم اخلاق سے متصف ہوتا ہے۔ زمانی لحاظ سے چونکہ اجراءِ وحی سے قبل کا دَور، دَورِ جاہلیّت کہلاتا ہے لہٰذا حضرت عثمانؓ کے قول کے ساتھ ان کے اسلام سے قبل کے زمانے کے لیے "دَورِ جاہلیّت" استعمال کیا جاسکتا ہے ——— یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی ایّامِ جاہلیّت ہی میں جس میں شراب نوشی اور زنا کو معیوب سمجھنے کے بجائے قابلِ فخر کام سمجھا جاتا تھا، شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور ان نفوسِ قدسی کے شکم میں اس اُمّ الخبائث کا ایک قطرہ بھی کسی وقت نہیں گیا تھا ——— پھر یہ کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی کسی بت کے سامنے کسی قسم کے مراسمِ عبودیّت انجام نہیں دیئے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس فطرتِ سلیمہ کا جس کے متعلق نبیؐ اکرم کا ارشاد ہے کہ: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ (اوکما قال) یعنی ہر انسان فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہ تو ماحول اور ماں باپ کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ فطرتِ سلیمہ مسخ ہوجاتی ہے اور انسان شرک اور دوسرے ذمائم اور فواحش میں مبتلا ہوجاتا ہے ورنہ اگر فطرت اپنی صحت و سلامتی پر برقرار رہے تو انسان سے معاصی کا صدور محال ہے۔ چونکہ فطرت اس ہستی کی بنائی ہوئی ہے جو کہ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور فاطر انسان ہے ——— چنانچہ ہر نبی اور ہر صدیق فطرتِ سلیمہ پر قائم و فائز ہوتا ہے ——— مزاجاً نبوّت و صدّیقیّت میں بڑا قرب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کا دستِ حنائی کسی ایک پھول کو چن لیتا ہے جیسے ایک باغ ہے جس میں بے شمار گلاب کے پھول کھلے ہوئے ہیں لیکن باغبان ان میں سے ایک پھول کا انتخاب کر لے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں یہی انتخاب اصطفٰی و اجتبٰی کہلاتا ہے جس پر انبیاء و رُسل فائز ہوتے ہیں اور اسی کو وحی کہا جاتا ہے ۔ چنانچہ نبی اکرمؐ مصطفٰی بھی ہیں اور مجتبٰی بھی، صلی اللہ علیہ وسلم! ——— بقیہ پھولوں کو اگر صدّیقین تصوّر کیا جائے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے ہی نبی اور رسول کی دعوت ان کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے لبیک کر اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں کہ: رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ؕ یہ صدّیقین دعوتِ حق کو قبول کرنے میں ایک لحظے کے لیے بھی توقف و تأمّل نہیں کرتے بلکہ فوراً تصدیق کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ تیسرا وصف جس کے حامل تمام صدّیقین ہوتے ہیں اور نفوسِ قدسیہ کی فطرت انبیاء کی فطرت سے بہت مشابہ ہوتی ہے۔ صدّیقیّت کے

اس وصف کو قرآن حکیم میں فرمایا گیا وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۔

حیا اور حضرت عثمانؓ

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے بدی اور بُرائی سے جو کراہیت اور حجاب رکھا ہے اُسی جذبہ صادق کو دین کی اصطلاح میں حیاء کہا جاتا ہے ۔۔۔ حیاء کا یہ جوہر ہر انسان کی فطرت میں فاطرِ کائنات کی طرف سے ودیعت شدہ ہے : فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۔ چنانچہ بُرا کام کرنے پر انسان کا نفسِ لوّامہ اُسے ٹوکتا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں سورۂ قیامہ میں قسم کھائی ہے : وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ اسی کو ہم ضمیر کی خلش سے تعبیر کرتے ہیں ۔۔۔ نبی اکرمؐ نے ایک مرتبہ گناہ کی تعریف یوں فرمائی : الاثم ما حاک فی صدرک وکرھت ان یطلع علیہ "گناہ وہ ہے جس سے تمہارے سینے میں خلجان پیدا ہو جائے اور تم اس کو پسند نہ کرو کہ تمہارا وہ عمل لوگوں کے علم میں آجائے اور لوگ اس پر مطلع ہو جائیں" پس گناہ کے دو پہلو ہو گئے ۔ پہلا یہ کہ اندر سے نفسِ لوّامہ ملامت کرے، سینہ بھینچے ۔ دوسرا یہ کہ انسان اس کو ناپسند کرے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اُس نے کیسی غلط حرکت کی ہے ۔۔۔ اسی احساس کا دوسرا نام حیاء ہے اور حیاء کے بارے میں نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ : ۔۔۔ اَلْحَیَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ ؕ ۔۔۔ "حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے" ایک حدیث میں تو حیاء کو نصف الایمان قرار دیا گیا ہے ۔

حیاءِ عثمانؓ کے بارے میں حضورؐ کی سند

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نبی اکرمؐ کی سند موجود ہے کہ اَكْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ جو اکثر جمعہ کے خطبوں میں خطیب حضرات بیان کرتے ہیں ۔۔۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں حیاء کے باب میں حضرت عثمان غنیؓ سب سے بڑھے ہوئے ہیں ۔۔۔ یہ حدیث میں آپ کو سنا چکا کہ : اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ ؕ لہٰذا حضرت عثمانؓ کے بارے یہ جو کہا جاتا ہے کہ "کامل الحیاء والایمان" تو وہ صد فی صد درست ہے چونکہ جو حیاء میں کامل ہو گا وہ ایمان میں بھی کامل ہو گا ۔ تو یہ ہے شان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ۔

حیاء کا ایک اہم واقعہ : حضرت عثمانؓ کی حیاء کے بارے میں مسلم شریف میں

ایک واقعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بیان ہوا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ "ایک مرتبہ حضورؐ میرے حجرے میں تشریف فرما تھے اور ایک گدیلے پر آپؐ استراحت فرما رہے تھے اور بے تکلفانہ کیفیت تھی ـــــ اپنے ذاتی حجرے میں جبکہ صرف اہلیہ موجود ہوں بے تکلفی کی کیفیت پیدا ہو ہی جاتی ہے، ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کی ساقِ مبارک کھلی ہوئی ہو اور پورا جسم ڈھکا ہوا نہ ہو ـــــ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کو اپنے گھروں کے کمروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ ان حجروں کے طول و عرض کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ اتنا چھوٹا تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی ٹانگیں پھیلائے رکھیں اور حضورؐ نمازِ تہجد میں بآسانی سجدہ فرمالیں ـــــ روایات میں آتا ہے کہ اُمّ المؤمنین کی ٹانگیں اکثر مصلّٰی پر سجدے کی جگہ آجاتی تھیں اور حضورؐ سجدے میں جاتے وقت یا تو اُمّ المؤمنین کے پیروں کو ٹھونگا دیتے یا پھر اُٹھا کر ایک طرف کر دیتے ـــــ اسی چھوٹے سے حجرے میں نبی اکرمؐ استراحت فرما رہے ہیں، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی موجود ہیں ـــــ "اطلاع ملی کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق تشریف لائے ہیں اور اذنِ باریابی کے خواہاں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق حجرے میں تشریف لاتے ہیں اور حضورؐ جس حال میں استراحت فرما رہے تھے اُسی طرح لیٹے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جو بات کرنی تھی کی اور واپس تشریف لے گئے ـــــ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ملی کہ عمر فاروقؓ بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور اذنِ باریابی کے طالب ہیں۔ اُن کو بھی اندر آنے کی اجازت مل گئی، وہ آئے، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک طرف پیٹھ پھیر لی۔ اور اپنے اوپر چادر ڈال لی۔ وہ بھی اپنی بات کر کے رخصت ہو گئے ـــــ تیسری مرتبہ اطلاع دی گئی کہ حضرت عثمانؓ غنی بھی ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد حضورؐ بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرمالیے، تہبند سے ساقِ مبارک ڈھانک لی اور ساتھ ہی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حکم دیا اپنے کپڑے خوب اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لو اور پورا جسم ڈھانپ لو اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہ اہتمام کرنے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کو اذن باریابی ملا۔ وہ بھی حجرۂ مبارک میں حاضر ہوئے اور جو بات کرنی تھی، کر کے رخصت ہوئے ـــــ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے جانے کے بعد میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ابوبکر صدیقؓ آئے تو آپؐ نے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا ـــــ حضرت عمر فاروقؓ آئے تو بھی آپؐ نے

کوئی خاص اہتمام نہیں فرمایا۔ یہ کیا خاص بات تھی کہ حضرت عثمان غنیؓ کے آنے پر آپؐ نے بھی کپڑوں کی درستگی کا خاص اہتمام فرمایا اور مجھے بھی ہدایت فرمائی کہ میں خوب اچھی طرح کپڑے لپیٹ لوں؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ "تمہیں معلوم نہیں کہ عثمانؓ غنی حیاداروں میں سب سے زیادہ حیادار شخص ہیں ——— مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح بے تکلفی سے لیٹا رہتا تو عثمانؓ اپنی فطری حیا اور حجاب کی وجہ سے وہ بات نہیں کر سکیں گے، جس کے لیے وہ آئے تھے اور ویسے ہی واپس چلے جائیں گے۔" ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "عثمانؓ کی تو وہ شخصیت ہے کہ جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، تو میں نے بھی اُن سے حیا کی ہے۔ یہ واقعہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: استأذن ابوبکر علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وھو مضطجع علی فراشی علیہ مرطی، فأذن لہ وھو علی حالہ، فقضی الیہ حاجتہ ثم انصرف، ثم استأذن عمر فأذن لہ وھو علی تلک الحالۃ، فقضی الیہ حاجتہ ثم انصرف، ثم استأذن عثمان فجلس صلّی اللہ علیہ وسلّم و اصلح علیہ ثیابہ وقال اجمعی علیک ثیابک، فأذن لہ فقضی الیہ حاجتہ ثم انصرف، فقلت یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم: لم أرک فزعت لأبی بکر وعمر کما فزعت لعثمان؟ فقال یا عائشۃ ان عثمان رجل حیّ، و انی خشیت ان أذنت لہ علی تلک الحالۃ أن لا یبلغ الی حاجتہ۔

یہ ہے حضرت عثمانؓ غنی کی حیا کا معاملہ، پھر حضرتِ عثمانؓ خود فرماتے ہیں کہ جس روز سے میں نے ایمان قبول کیا ہے اور نبی اکرمؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہے تو اس کے بعد سے میں نے نہ کبھی گانا گایا ہے اور نہ گانے کی تمنّا کی ہے اور پھر یہ کہ اپنے داہنے ہاتھ کو جو بیعت کے لیے حضورؐ کے دستِ مبارک میں دیا گیا تھا، اس بیعت کے بعد کبھی اپنی شرمگاہ سے مس نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کے قول کے الفاظ یہ ہیں: ما تغنیت وما تمنّیت ولا مسست ذکری بیمینی منذ بایعت بہا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم!

عثمانؓ کے تقویٰ کے چند مزید احوال

منقول ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے ہی میں پورا قرآن شریف یاد کر لیا تھا اور کبھی کبھی رات کو نوافل میں پورا قرآن مجید پڑھا کرتے۔

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی کے وضو کا طریقہ بالکل رسول اللہ کے وضو سے مشابہ ہوتا تھا ــــــ حضرت عثمانؓ کی لونڈی نے اور زبیر بن عبداللہ نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی صائم الدّہر اور قائم اللّیل تھے۔ صرف اوّل شب تھوڑی دیر کے لیے سوتے تھے۔ امام مالکؒ (امام دارالہجرت) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ حج اور عمرے میں سب سے بازی لے گئے تھے اور یہ کہ آپ اپنے ہمسروں میں صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر تھے۔ مشکوٰۃ میں روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ جب قبر پہ کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی اشکوں سے بھر جاتی۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ آپ دوزخ و جنّت کے ذکر سے اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنا کہ قبر پر ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب میں کہا کہ رسولِ خدا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے: "قبر پہلی منزل ہے، اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد بھی آسانی ہے اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے ــــــ ترمذی اور ابنِ ماجہ میں ہے کہ عثمانؓ غنی سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "میں نے قبر سے زیادہ کسی مقام کو ہیبت ناک نہیں دیکھا" (اوکما قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) ــــــ حضرت عثمانؓ کا ایک اور قول بھی روایت کیا گیا ہے، وہ یہ کہ آپ کہا کرتے تھے کہ "اگر میں دوزخ و جنّت کے درمیان ہوں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا ہے لیے ان میں سے کس کا حکم دیا جائے گا تو میں اس کا حال معلوم کرنے سے قبل راکھ ہو جانے کو پسند کروں گا۔

وقت محدود ہے اس لیے میں نے اختصار کے ساتھ چند واقعات بیان کیے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دیگ کے چند چاول پوری دیگ کا پتہ دیتے ہیں لہٰذا ان چند واقعات سے اندازہ کر لیجیے کہ جس کے اعطار، جس کے تقویٰ اور حیاء کا یہ عالم ہو تو اس کی فضیلت و منقبت کا کیا کہنا! رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وارضاہُ۔

تصدیق بالحسنیٰ

اب تک میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس میں: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی کی پُوری شان نظر آ رہی ہے۔ رہا تصدیق بالحسنیٰ کا معاملہ تو حضرتِ عثمانؓ غنی اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک ایمان لانے والوں میں اُن کا پانچواں یا چھٹا نمبر ہے۔ گویا حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجرّاح، حضرت عبدالرّحمٰنؓ بن عوف، حضرتِ زُبیرؓ ابن العوام، حضرت

بقیہ صفحہ ۳۶ پر دیکھیں

تنظیمِ اسلامی

کی اساسی دعوت

تجدیدِ عہد	توبہ	تجدیدِ ایمان

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ
الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

(النسآء : ۱۳۶)

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

(التحریم : ۸)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ
بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

(المآئدۃ : ۷)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ

(البقرۃ : ۴۰)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک

کے ذہنی سفر کی تفاصیل سے آگاہ ہونے کے لئے حسب ذیل مطبوعات کا مطالعہ لازمی ہے

۱۔ تحریک جماعت اسلامی ۔ ایک تحقیقی مطالعہ	قیمت	-/۶ روپے
۲۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ۔ کرنے اصل کام	"	-/۱ "
۳۔ دستور مرکزی انجمن خدام القران لاہور	"	۵۰/- "
۴۔ ماہ نامہ میثاق بابت ستمبر تا دسمبر ۶۷	"	۴/۵۰ "
۵۔ " " اکتوبر تا دسمبر ۶۸	"	-/۳ "
۶۔ دستور تنظیم اسلامی	"	-/۱ "

مزید برآں

۵۷-۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی میں پالیسی کے بارے میں اختلاف نے جو ہنگامہ خیز صورت اختیار کی تھی اور جس کے نتیجے میں بہت سے مخلص رہنما اور سر گرم کارکن جماعت سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہو گئے تھے

اس کی تفصیلات ڈاکٹر اسرار احمد نے

" نقض غزل "

کے عنوان سے تحریر کی تھیں جو ماہنامہ "میثاق، کے ۶۷-۱۹۶۶ کے بعض شماروں میں شائع ہوئیں" جو ایک محدود تعداد میں موجود ہیں اور فی سیٹ -/۷ روپے میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ۔

مینجر **مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی**

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور

Regd. L. No. 7360
Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 25	FABRUARY 1977	No. 2

انشاءاللہ العزیز

چوتھی سالانہ

قرآن کانفرنس

۲۵، ۲۶، ۲۷ مارچ

زیر اہتمام

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

لاہور میں منعقد ہوگی ۔ کانفرنس کا مقام انعقاد اور پروگرام ماہ مارچ ۷۷
کے شمارے میں شائع کیا جائے گا ۔ انشاءاللہ

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے باہتمام چوہدری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،
۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور سے شائع کیا -